ناولٹ

"دیکھو۔۔۔
دن چڑھا کہ نہیں۔۔۔
ساری رات گزاری سو کے۔۔۔
چراغ اپنا ابھی جلا کہ نہیں۔۔۔"

گھڑی کی پرسوز آواز کے ساتھ ہر صبح کی طرح اس صبح کا بھی آغاز ہوا۔ اگر ساڑھے نو بجے کو صبح کہا جا سکتا ہے تو۔

"چلو جی اٹھو۔۔۔ شاباش۔۔۔" اس نے باری باری دونوں کے منہ تک تانے کمبل کھینچے۔ ہیٹر وہ پہلے ہی آف کر چکا تھا۔

"ہاں! اتنی ٹھنڈ لگتی ہے تو بارہ بارہ گھنٹے تک اسے ہی چلا کر بجلی کیوں ضائع کرتے ہو۔ کمبلوں کے اندر گھسو "ہن" بن کے لیٹے ہو۔"

"اوہو نکے! ابھی بھی تو تم بالکل الو لگتے ہو۔" عزم رؤف نے جمائیاں لیتے ہوئے ناگواری سے کہا۔

"توبہ کرو جی! میں اور بڑی بی بی۔۔۔ وہ ہوتیں تو ہم کی مجال تھی کہ بارہ بارہ گھنٹے تک اسے ہی چلاتے۔ ساری زندگی میں تو یہ لگانے کی بھی ہمت نہیں ہوئی ہم کی۔ ذرا پنکھا یا بتی جلتی چھوڑ کے آپ کمرے سے باہر نکلتے تھے تو وہ فوراً کہہ دیتی تھیں۔ "تم لوگوں کے "پیو" (باپ) کا بجلی گھر نہیں ہے جو خالی کمرے میں پنکھے چلائے ہوئے ہیں تاکہ سیر کریں ہوا کو لگی رہے۔"

"نکے!" ساتھ والے کمبل کے اندر سے آواز گونجی۔ یہ وہ براؤن اور بلیک لائننگ والا کمبل تھا۔ نکے عزم رؤف کی جانب متوجہ ہوئے جو بہت بڑی سرعت کے ساتھ منہ تک تانا جا چکا تھا۔ منہ تھا جہاں سے اب نکے کو وارننگ دی جا رہی تھی۔

"نکے ہی رہو وڈے بننے کی کوشش نہ کرو۔"

"آپ اپنے وڈے آپ ہی ہو۔ ہمیں کوئی ضرورت۔" اتنا کہہ کے وہ اٹھ لیے اور عزم رؤف کے پہلوؤں میں ہاتھ مارنے لگے۔ وہ اچھل کے بیٹھ گئے۔

"یہ اب جگانے کا نیا حربہ ڈھونڈا ہے تم نے۔"

قدر بد تمیزی سے گدگدیاں کر رہے تھے۔ "تمہاری میری اتنی بے تکلفی ہرگز نہیں ہے۔ ایسی چھچھوری حرکتیں اس سیف کے بچے کے ساتھ کیا کرو، جس نے تمہیں سر چڑھا رکھا ہے۔"

"نہیں، اب آپ صبح صبح مجھ پر چڑھائی کر لیں۔" براؤن اور بلیک لائننگ والا کمبل ذرا سا نیچے سرکا، گھنے بڑے بڑے گھنگھر والے بال، گندمی پیشانی اور بھوری خفا خفا سی آنکھیں نظر آئیں۔

"ایک تو مجھ پر اس نکے پانڈے کو سر چڑھانے کا الزام لگا دیا اور دوسرا اس کو اپنی مشہور زمانہ چھچھوری حرکتیں میرے بچے کے ساتھ کرنے کا پروانہ بھی دے دیا۔ یعنی میں تو میں، میرے بچے بھی اس کے ستائے ہوئے لوگوں میں شمار ہوں گے۔"

"سیاپا۔" نکے نے زور سے ماتھے پر ہاتھ مارا۔ "دس بج گئے ہیں۔ اب ناشتہ بناؤں، صفائی کروں یا دوپہر کے کھانے کی تیاری کروں۔"

"یار! ایک تو چھٹی کا دن ہوتا ہے، اس میں بھی جی بھر کے نیند پوری نہ کریں۔" سیف الرحمٰن نے پھر سے براؤن اور بلیک لائننگ والے کمبل کے خیمے کے اندر پناہ لی مگر عزم رؤف نے اس کی پناہ گاہ کھینچ کے نکے کے حوالے کی جو فوراً اسے تہہ کرنے لگ گیا۔

"چھٹی کا ایک ہی دن صرف میرے لیے ہوتا ہے۔ آپ جناب تو پچھلے پانچ ماہ سے مسلسل چھٹیاں منا رہے ہیں۔ چلو اٹھو، ناشتہ لے کر آؤ اور خود بناؤ۔ نکے کو صفائی کا کام نمٹانے دو تاکہ دوپہر کا کھانا وقت پر تیار ہو۔"

"گیارہ بجے ناشتہ کرنے کے بعد اگر دوپہر کا کھانا وقت پر تیار نہ ہو تو کیا مسئلہ ہے بلکہ سرے سے تیار ہی نہ ہو تو کیا مسئلہ ہے۔ میں حلوہ پوری اور نان پائے لے آتا ہوں، رات تک کے لیے گزارا ہو جائے گا۔"

"اور وہ جو پروہنے (مہمان) آ رہے ہیں، دوپہر کی روٹی کھانے۔ ان کا کیا ہوگا۔ ہو سکتا ہے انہوں نے اس دعوت کے چاؤ میں کل رات کا بھی کھانا نہ کھایا ہو۔"

"کون سے پروہنے؟ کیسے پروہنے؟ جب ہم نے یہ طے کر رکھا ہے کہ خاندان، آس پڑوس۔۔۔ کسی کو منہ نہیں لگانا کیونکہ انہوں نے بھی ضرورت پڑنے پر ہمیں منہ نہیں۔۔۔ میرا مطلب ہے ہمیں کبھی پوچھا نہیں تو پھر یہ کون ٹپک پڑا۔"

"نہ آس پڑوس، نہ خاندان۔۔۔ وہ میرا دوست تھا ظفر ملک۔"

"ہاں ہاں اللہ مغفرت کرے، بڑا بھلا انسان تھا۔"

"لعنت ہو تم پر، ایسے کہتے ہیں کسی کے بارے میں۔"

"آپ بھی تو ایسے کہہ رہے ہیں جیسے کسی مرحوم مغفور کا ذکر ہو رہا ہو۔ ہاں مگر۔۔۔ آپ کے لیے تو مرحوم ہی ٹھہرا۔ کب سے آپ دونوں کے درمیان کنوارے پن کا میچ ڈالا ہوا تھا۔ مقابلہ سخت تھا، ہم سمجھ رہے تھے کہ میچ ڈرا ہو جائے گا مگر وہ ظفر ملک کسی گرین کارڈ ہولڈر کے ہاتھوں کیچ آؤٹ ہو کر پویلین بلکہ ملک سے باہر ہو گیا۔ آپ اکیلے اب تک کریز پر جمے ہوئے ہیں لیکن آپ تو سخت ناراض تھے نا اس سے کہ وہ کھیل ادھورا چھوڑ گیا پھر یہ دعوت۔۔۔ اوہ! شاید آپ اپنے غصے کا اظہار کرنا چاہ رہے ہیں لیکن ماموں! میں آپ کے جذبات سمجھتا ہوں، آپ کی ناراضی بجا ہے مگر۔۔۔ اتنی سی بات کی اتنی بڑی سزا۔ آپ اسے نکے کے ہاتھ کا کھانا کھلائیں گے۔"

"اوہو یار! یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں۔" عزم رؤف، جو سیف الرحمٰن کی بے سروپا باتوں پر پیچ و تاب کھا رہے تھے، اچانک متفق ہو کر سر ہلانے لگے۔

"نکے! تم کھانا وانا رہنے دو۔" باقاعدہ منت کی گئی۔ بس ہاتھ جوڑنے اور پیر چھونے کی کسر باقی تھی۔

"بس صفائی ذرا دل لگا کے کرنا۔ رات کو جو مرغی میں کڑاہی بنوانے کے لیے لایا تھا، اسے نمک اور کالی مرچ کے ساتھ ابال دو۔ بیسن گھول دینا، سیف پکوڑے تل دے گا۔ میں۔۔۔ میں دو تین طرح کے سلاد بنا لوں گا۔" انہوں نے اپنے واحد ہنر کا استعمال کیا۔ سیف بھی محض پکوڑے تلنے کے قابل تھا جبکہ نکا۔۔۔ اس کے ہاتھ کا کھچڑی سے کیا گزرا پلاؤ، یخنی سے بھی زیادہ پھیکا اور پتلا شوربے دار قورمہ، پاپڑ سے کہیں درجہ زیادہ سخت روٹیاں اور سبزی والے کی دکان پر بچی سبزیوں سے زیادہ تازہ اور سخت ترکاری بس وہی کھانے کا حوصلہ رکھتے تھے۔ سیف تو برملا اس شک کا اظہار کیا کرتا کہ نکے نے سبزی پکانے کی زحمت کیے بغیر صرف دھو کر بڑے بڑے ٹکڑوں میں کاٹ کر نمک مرچ چھڑکنے اور تیل لگانے کے بعد ان کے سامنے لا رکھی ہے۔

"باقی دو چار مین آئٹمز میں بازار سے لے آؤں گا۔ کیوں یار سیف! بیسن والی مچھلی، چکن روسٹ، فرائیڈ رائس ٹھیک رہیں گے، سویٹ ڈش کون سی لاؤں۔"

"اللہ خیر، ماموں جان! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔ یہ وہی ظفر ملک ہے نا جو گھنٹوں آ کے بیٹھا رہتا تھا اور آپ اسے ایک کپ چائے پلانے کے روادار نہیں ہوتے تھے تو اب شادی کے بعد اس میں کون سے سرخاب کے پر لگ گئے ہیں جو اس قدر آؤ بھگت۔ ویسے یہ سرخاب کے پر کس رنگ کے ہوتے ہیں۔" وہ محاورے استعمال تو کر لیتا تھا مگر ان کے سیاق و سباق کی تفصیل کھنگالنا بھی ضروری سمجھتا تھا۔ یہ الگ بات کہ اس کے محققانہ سوالات کے جواب دینا کوئی ضروری نہ گردانتا۔

"سرخاب کے پر۔۔۔ پتا نہیں یار! اگر گرین کارڈ کیا وہ کسی سرخاب کے پر سے کم ہے۔"

"اوہ تو آپ کو امید ہے کہ وہ آپ کی دعوت سے خوش ہو کر جاتے جاتے اپنا گرین کارڈ آپ کو دے جائے گا۔ اچھا اچھا۔۔۔ ٹھیک۔"

"احمق ہو تم۔ دراصل۔۔۔ اف خدایا میں بھی کہاں بحث میں وقت ضائع کر رہا ہوں۔ چلو بھاگو ناشتہ لے کر آؤ، تب تک میں نکے سے صفائی کرواتا ہوں اور نکے! خبردار جو تم نے صفائی کے دوران اس کی طرح میرا دماغ کھانے کی کوشش کی۔"

"او میں نئیں بولدی۔
میں نئیں بولدی، نئیں بولدی
میرے وچ میرا یار بولدا۔"

وہ ناک سے حمیرا ارشد کی آواز نکالنے کی ناکام کوشش کرتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

☆ ☆ ☆

یہ "کاشانہ رؤف" کا تقریباً روز ہونے والا سین تھا۔ ہر دن کا آغاز ایسی ہی افراتفری کے ساتھ ہوتا تھا۔ یہ افراتفری، یہ گہما گہمی دانستہ پیدا کیے رکھنا اس گھر کے تینوں مکینوں کی مجبوری تھی کیونکہ تینوں ہی اپنی اپنی جگہ پر اکیلے تھے اور تینوں کو ہی ایک دوسرے کے اس اکیلے پن کا احساس تھا، اس لیے خود ہی دل لگائے رکھتے۔ یہ فرض ادا کرنے میں کوئی کسی سے کم نہیں تھا۔

یہ ہیں اس گھر کے سب سے سینئر رکن، عزم رؤف۔

وہ کم چالیس کے ہونے کو آئے مگر ہنوز خود کو لڑکا کہنے پر مصر۔ اپنی عمر اڑتیس سال کچھ اس اسٹائل سے بتاتے کہ سننے والے کو اٹھائیس سنائی دیتا اور مزے کی بات کہ سننے والا اگر شک بھی کرتا تو صرف اتنا کہ ضرور عزم رؤف صاحب نے صحیح عمر بتانے میں دو تین سال کی ڈنڈی ماری ہے۔ اچھے خاصے خوبرو جوان تھے۔ (بقول ان کے نوجوان) صاف بلکہ صاف شفاف گوری رنگت، کھڑی ناک، کلین شیو، گہری سیاہ آنکھیں اور اس سے بھی گہرے سیاہ گھنے بال جو عمر کے ساتھ ساتھ مزید سیاہ ہوتے جا رہے تھے اور ان کی حد سے زیادہ بڑھتی سیاہی سیف کو مشکوک کر رہی تھی کہ ہو نہ ہو یہ ہیئر ڈائی کا کمال ہے اور مزید کمال یہ کہ انہوں نے کسی کو پتا تک نہ لگنے دیا کہ کب ہیئر ڈائی ان بالوں پر لگا، کب دھلا۔

ان کا پسندیدہ رنگ سفید ہے، وہ کسی کو نہ بتائیں تب بھی سب جان جاتے ہیں۔ بیڈ روم کا وائٹ فرنیچر، وائٹ پینٹ، وارڈروب میں ہینگرز پر لٹکے درجنوں کلف زدہ وائٹ کرتے اور شلوار سوٹ۔ انہی دو ڈریسز میں وہ خود کو پرسکون محسوس کرتے ہیں اور ایمان داری کی بات تو یہ ہے کہ نکھرے نکھرے اجلے اجلے یہ کرتے اور شلوار قمیص ان کے نکھرے اجلے سراپے پر

بچتی بھی بہت ہے۔ آفس بھی وہ عموماً" اسی لباس میں جاتے ہیں اور نیکر پورے آفس میں ان کی انفرادیت بھی ہے۔ ہاں کبھی کبھار نارمل بھی جاتے ہیں مگر اسی سفید رنگ کی سنگت میں۔ ڈریس شرٹس بھی سب کی سب وائٹ ہیں جنہیں وہ کبھی کبھار بلیک گرے یا فان کلر کی پینٹ کے ساتھ پہن لیں تو غضب کے اسمارٹ لگتے ہیں۔ خوش شکل اور خوش لباس ہونے کے علاوہ یہ خوش اخلاق بھی ہیں۔ ایک ہلکی سی مسکراہٹ تقریباً" ہر وقت ہی چہرے سے جھلکتی رہتی ہے۔ ہاں کبھی کبھار سیف یا کسی کی وجہ سے یہ سدابہار قسم کی مسکراہٹ احتجاجی واک آؤٹ ضرور کرتی ہے مگر بس۔ ذرا سی دیر کے لیے۔ وہ دونوں اسی روٹھی ہوئی مسکراہٹ کو بڑے دھوم دھڑکے کے ساتھ منا کر واپس لاتے ہیں۔ خوش ذوق بھی ہیں گھر کی آرائش و تزئین میں بڑا ہاتھ ان کا ہے۔ اس آرائش کا ستیاناس کرنے پر ہر وقت تیار رہنے والے ہاتھ سیف الرحمٰن کے ہیں۔ میوزک کا ذوق بھی بڑا نفیس ہے اور نفاست کی مٹی پلید کرنے میں مستنصر کا پیش پیش رہتے ہیں جنہیں میڈم نور جہاں، نصیبو لعل، شازیہ منظور، حمیرا ارشد کے پنجابی گیت "منہ زبانی" یاد تھے اور چوبیسوں گھنٹے یہ گیت بغیر کسی دھمکی کی پروا کیے نشر ہوتے رہتے۔ عزم تو عزم، سیف تک ان خالص زنانہ بولوں والے گانوں سے عاجز آجایا کرتا۔

اور یہ نیکر شرٹ میں ملبوس، بکھرے بالوں، سوئی آنکھوں، ڈھیلے قدموں والا نوجوان جو واقعی نوجوان ہے۔ سیف الرحمٰن ہے جو نکڑ سے حلوہ پوری لانے کے لیے ہزار نخروں کے بعد مانتا ہے اور اب جمائیوں کے ریکارڈ توڑتا راستے کے پتھر کو ٹھوکریں مارتا چل رہا ہے۔ یہ عزم رؤف کا بھانجا ہے۔ پچھلے پانچ ماہ سے وہ اسی لباس میں ملبوس ہے۔ بس دو چار روز بعد رنگ بدل جایا کرتا ہے۔ پانچ ماہ پہلے سیف نے ایم ایس سی کا ایگزام دیا تھا اب تو رزلٹ آئے بھی دو ماہ ہوچکے ہیں۔ کالج، یونیورسٹی جانے کے لیے تو مجبوراً" سیف کو پورے کپڑے پہننے پڑتے تھے مگر اب اس تکلف کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ سونے پہ سہاگہ پچھلے چند سال سے گرمیاں بھی اہل لاہور کے سر پر بن بلائے مہمان کی طرح نازل ہیں اور جانے کا نام بھی نہیں لے رہی ہیں۔ بقول سیف کے

"گرمیوں کو لاہور آنے کی بڑی جلدی ہوتی ہے ادھر فروری ختم ہوتا ہے ادھر یہ ٹکٹ کٹا کر راوی پار کرلیتی ہیں اور پھر اکتوبر کے اینڈ تک ٹلنے کا نام نہیں لیتیں۔"

سو اس موسم کی رعایت سے وہ ہر سال فروری میں ہی آدھ درجن نیکروں اور درجن بھری شرٹس کا اسٹاک جمع کرلیا کرتا۔ گھر میں اکثر وہ شرٹ تک پہننے کی زحمت نہیں کیا کرتا تھا۔ زحمت تو خیر اس نے کبھی بال سنوارنے، کٹنگ کروانے کی بھی نہیں کی تھی۔ ابھی ڈیڑھ دو سال پہلے ہی لوگوں کی طرح بال بڑھانے کا بھی شوق اٹھا تھا۔ ماموں جان یعنی عزم رؤف کی نفاست پسند طبیعت پر یہ بکھرے الجھے لٹوں کی صورت شانوں پر گرے بالوں کا ڈھیر سخت گراں گزرتا تھا، سکون کا سانس لیا جب زیادہ بڑھ جانے کی صورت میں اس نے بی بی بچیوں کی طرح کس کے بال باندھنے شروع کردیے۔ اگرچہ پیچھے کی طرف کھینچ کے کی گئی پونی کے بعد اس کی شکل بالکل کسی جگت پھوپھی کی سی لگنے لگی تھی مگر اس قوالوں والے حلیے سے تو چھٹکارا ملا تھا لیکن پچھلی گرمیوں میں جب اس کی گردن گرمی دانوں سے بھر گئی تو مجبوراً" وہ آرمی کٹ کروا آیا۔

ان دنوں عزم رؤف کو اپنے بھانجے پر بہت پیار آیا کرتا تھا۔ بات بے بات اس کے گال تھپتھپاتے، بال سہلاتے۔ چلو چند مہینے تو گزر گئے، بال پھر بڑھنا شروع ہوگئے، گرمی دانوں کی جلن اور خارش سے خوفزدہ سیف دو تین مہینے بعد کٹنگ کرا تو آتا مگر یہ کٹنگ کچھ عجیب سی ہوا کرتی۔ پیچھے سے دیکھو تو آرمی کٹ، سامنے سے دیکھو تو ماتھے اور کانوں پر لہراتے بھورے گچھے ہی گچھے۔ وہ تو شکر ہے کہ بال قدرتی گھنگھریالے تھے لمبے ہوتے مگر گول کی صورت میں اوپر چڑھتے جاتے ورنہ یہ اپنی نوعیت کا واحد بھنور

اسٹائل ہوگا۔

دراصل سیف الرحمان ایسا ہی تھا۔ زندگی کا ایک ایک پل اپنے لیے جینے والا۔ وہ سب کیا کہتے ہیں کسی کی پروا کرکے دل نہیں جلاتا تھا۔ وہ اس کے لباس "اوکے ہوگئے ہاں" آزادی ترچھی اس نے آزاد زندگی کے ساتھ بہت پلی اور ہر ذمہ داری سے کبھی بھی اس مخلص تھا۔ اچھا لگتا "تعریف سنتا" سب کبھی اس کی خواہش نہیں رہی۔ وہ بس اسی میں خوش تھا۔ گھر بہت پیار کرنے والا دوست نما ماموں، خیال رکھنے والا لاڈلا، دل بہلانے رکھنے والا ٹکا، بھی کبھی ان دونوں نے ملازم نہیں سمجھا۔ اس کی دنیا بھی تھی "اس سے باہر کی دنیا اس نے کبھی کھنگالنے کی کوشش ہی نہیں کی تھی، چند دوست تھے جن سے دوستی کالج اور یونیورسٹی کی حدود تک رہی۔ تئیس سالہ سیف الرحمان اگر خود پر توجہ دیتا تو ماموں کے مقابلے کا نہ سہی مگر کچھ تو ڈیشنگ نظر آہی جاتا۔ آخر اس کے پاس پندرہ سال کی کم عمری اور ساڑھے پانچ فٹ لمبے قد کا ایڈوانٹیج تھا مگر وہ خود پر توجہ دینے کے بجائے پیٹ پوجا کی طرف زیادہ دھیان رکھتا، ناشتہ، دوپہر کا کھانا، رات کا کھانا، آدھی رات کا کھانا اور ان سارے کھانوں کے درمیانی وقفے میں کچھ اور کھانا۔ جیسے فروٹ، بسکٹ، نمکو، چپس، چاکلیٹ، مٹھائی، پکوڑے، سموسے وغیرہ وغیرہ۔

اور یہ ہیں دلدار عرف ٹکا۔ کم از کم "کاشانہ رؤف" کے لیے تو وہ سدا سے ٹکے تھے اور ہمیشہ رہیں گے اس میں قصور بے چارے ٹکے کا نہیں اس کی انجھانی بے بے کا تھا جو عبدالرؤف صاحب کی بیگم یعنی محترم رؤف کی اماں کی آیا کی بیٹی تھیں۔ کچھ عرصہ وہ بھی "کاشانہ رؤف" میں ملازمت کرچکی تھیں پھر کئی سالوں بعد آئیں تو ایک گیارہ سالہ گنجا ٹکا ساتھ لیے آگے کیا۔

"بی بی! یہ میرا ٹکا منڈا ہے، میرے کہنے میں نہیں، رہتا ہے نہ اپنے ساتھ کہیں جاتا ہے۔ اسے ادھر رکھ لو، چھوٹا موٹا کام کردیا کرے گا گھر کا۔ بدلے میں آپ جو چاہے دے دیں اگر تنگ کرے گا تو

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے بہنوں کے لیے
4 نئے ناول
شائع ہوگئے ہیں
خوشبو ہے ہمسفر
مصنفہ: عاصمہ شاہد
قیمت: 200/ روپے
یارِ وفا
مصنفہ: نگہت سیما
قیمت: 150/ روپے
وہ جو قرض رکھتے تھے
مصنفہ: فرحت اشتیاق
قیمت: 150/ روپے
تیری راہ میں رُل گئی وے
مصنفہ: میمونہ خورشید علی
قیمت: 150/ روپے
خوبصورت سرورق، دیدہ زیب طباعت
آفسٹ پیپر، مضبوط جلد
چاروں ناول ایک ساتھ منگوانے پر ڈاک خرچ معاف
صرف 630/ روپے کا منی آرڈر بھجوائیں
[illegible]
مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37، اردو بازار، کراچی

"واپس چھڑوانے جاؤں گی۔"

بیگم رؤف نے ترس کھاتے ہوئے اسے ٹرائل پہ رکھ لیا۔ شام کو رؤف صاحب گھر آئے تو اس کے استفسار پہ بتایا۔

"یہ بھانجا کا نکا منڈا ہے۔" اور یوں وہ نکا ہی بن کے ہی رہ گیا۔ بڑی بی بی ذرا سخت مزاج کی تھیں مگر صاحب نرمی سے بات کرتے تھے' اسی طرح بڑی باجی ڈانٹ ڈپٹ زیادہ کرتی تھیں پھر روز نہانے' صاف ستھرے کپڑے پہننے اور سلام کرنے پہ بھی زور دیتی تھیں مگر ان سے چھوٹے عزم جو نکے کے ہم عمری تھے مزے سے اسے اپنے ہر کھیل میں شامل کر لیتے۔ حالانکہ بڑی باجی کی طرح وہ بھی بڑے صاف ستھرے بابو ٹائپ تھے مگر نکے کے وڈے' یعنی بڑے بننے کی کوشش نہیں کرتے تھے۔

بچپن کی دوستی لڑکپن تک اور اب اس سدابہار جوانی تک جوں کی توں تھی' یہ عزم ہی تھے جنہوں نے اپنے رویے سے نکے کو "کاشانہ رؤف" کے ایک فرد کی سی حیثیت دے رکھی تھی' ورنہ حقیقت پسندی سے دیکھا جائے تو مسٹر نکے میں ایک فل ٹائم ملازم تک بننے کی خصوصیات مفقود تھیں۔ یہ عزم رؤف کی قوت برداشت اور مروت و لحاظ ہی تھا کہ وہ پچھلے چھبیس ستائیس سالوں سے اس ملازمت پہ بحال تھے۔ نکے اور سیف کے جاگنے کے اوقات میں انیس بیس کا فرق تھا۔ ایک عزم تھے جو جاب کی وجہ سے جلدی اٹھتے' دودھ والے سے دودھ لا کر چولہے پہ ابالنے کے لیے رکھتے۔ نکے کی سہولت کے خیال سے اس دوران آملیٹ کے لیے پیاز بھی کاٹ دی جاتی یا پھر فرنچ ٹوسٹ کے لیے انڈوں میں آئسنگ شوگر چھینٹ دی جاتی۔ رات کے دھلے برتن باسکٹ سے نکال کر کیبنٹ میں رکھے جاتے پھر کہیں جا کے نکا صاحب کچن میں رونق افروز ہوتے۔ پچھلے ستائیس سالوں سے وہ عزم کے بار بار ٹوکنے کے بعد بھی دانت صاف کرنے اور ہاتھ منہ دھونے جیسے تکلفات سے پرہیز کرتے آ رہے ہیں۔ دوپہر کا کھانا بنانے کی انہیں چھٹی تھی' بلکہ اپنا کھانا باہر تندور سے منگوانے کی بھی کھلی چھٹی تھی جس کا ہر مہینے کا حساب عزم ہی چکایا کرتے۔ خود بے چارے آفس میں چائے کے ساتھ سینڈوچز وغیرہ لے لیا کرتے۔ سیف بھی کہیں برگر' بریانی وغیرہ کھا لیتا۔ رات کا کھانا طوعاً" کرہاً" بنالیا کرتے حضرت نکروہ اس قابل ہوتا کہ اسے کھایا بھی طوعاً" کرہاً" جاتا۔ تین دن مسلسل سے زیادہ کھانے کی تاب نہ عزم میں تھی' نہ سیف میں۔ حتیٰ کہ خود نکے میں بھی نہیں تھی' اس لیے چوتھے دن وہ دونوں نکے کو کچن سے نکال کر خود کوئی ہلکے پھلکے آئٹمز بنانے کی کوشش کرتے۔ مثلاً" پکوڑے' بھنا قیمہ یا آملیٹ وغیرہ۔ پانچویں دن جل بھن کر باہر کہیں کھانے کا پروگرام بنتا' سب سے زیادہ جوش و خروش بھی نکا صاحب ہی دکھاتے۔ اماں جی کے گزرنے کے بعد بس چند دن تک ہی نکا صاحب سے کپڑے دھلوائے گئے مگر پھر ایسی توبہ کی گئی کہ اب کئی سالوں سے دھوبی کے ساتھ خوشگوار مراسم تھے۔

صفائی ایک ایسا معاملہ تھا جس پر عزم رؤف کمپرومائز کرنے پہ تیار نہیں تھے' اس لیے سر پر کھڑے ہو کے کروائی جاتی تھی۔ سستی' ہڈحرامی' بدمزاجی اور طوطا چشمی کے ساتھ ساتھ قلم بینی کے جراثیم بھی موجود تھے اس کے باوجود وہ کئی سالوں سے یہاں ٹکا ہوا تھا اور ٹلنے کے دور دور تک کوئی امکان نہیں تھے۔ جب تک نکے کی بے بے زندہ تھی' وہ بھاگ بھاگ کے گاؤں جاتا تھا مگر صرف دو تین چھٹیاں گزارنے کی خاطر' رہنے کی نیت سے ہرگز نہیں پھر بے بے گزر گئی۔ باقی رہ گیا نکے کا وڈا بھائی بشیرا' اس نے بڑا زور دیا کہ نکا اس کے پاس گاؤں آ کر اس کا ہاتھ بٹائے مگر اس نے نیچے پہ ہاتھ نہ دھرنے دیا۔

پھر اچانک ایک روز بشیرا بھی کالے یرقان کا شکار ہو کر چٹ پٹ ہو گیا' اپنے پیچھے ایک بیوی' تین بچے اور ایک کریانے کی دکان چھوڑ کر جو مکان کے اندر ہی ایک کمرے میں کھولی گئی تھی۔ اس بات کو بھی تین سال ہو رہے تھے' ان تین سالوں میں نکا چند ہی بار

گاؤں گیا تھا' وہ بھی عزم کے کہنے پر کہ ان یتیم بچوں کے پاس اب اور رشتہ ہی کون سا رہ گیا ہے' تم ان کے پاس آتے جاتے رہو گے تو انہیں تحفظ کا احساس ہو گا۔ حیرت انگیز طور پہ بات نکے کی عقل میں سما گئی اور وہ دوسری چھٹیوں کے ساتھ عید' شب برات بھی وہاں وہ گزارنے لگا۔

عزم رؤف کے ہم عمر یعنی اڑتیس سالہ دلدار المعروف نکا کے بال ان کے دوست پالی جان عزم کی طرح مشکوک قسم کے کالے تھے یا بغیر ڈائی کے قدرتی سیاہی لیے ہوئے تھے۔ یہ ہنوز ایک راز تھا کیونکہ نکے نے کبھی اپنے سر پہ یہ کھیتی اگنے کی نوبت ہی نہ آنے دی تھی۔ ہر اتوار باقاعدگی کے ساتھ استرا پھروانے کے بعد شام چھ سے نو کا شو دیکھنے جانا اس کی سالوں پرانی عادت تھی۔ فلمیں وہ صرف پنجابی دیکھتے تھے' پنجابی ہی گیت گنگناتے تھے' صائمہ ان کی فیورٹ ہیروئن تھی جو اوروں کے لیے بھلے صائمہ ہو' ان کے لیے [illegible] تھی اسی طرح ملکۂ ترنم نور جہاں کو بڑی بے تکلفی سے نوراں کہہ کر پکارتے' یہ تھے جناب جن کی عزم سے بنتی تھی تو سیف سے لگتی تھی۔

کہنے کو یہ "کاشانہ رؤف" تھا مگر محلے میں اسے "کنوارہ ہاؤس" کی عرفیت حاصل تھی۔ کبھی کبھار "چھڑوں کا ڈیرہ" ہی کہا جاتا۔ یہ نئے خطاب اماں جی کے گزرنے کے بعد ملے تھے۔ باجی کی یعنی عزم رؤف کی بڑی ہمشیرہ عظمیٰ کی شادی تو عبدالرؤف صاحب کی زندگی میں ہی ہو گئی تھی۔ وہ کویت میں اپنے شوہر اور دونوں بیٹیوں کے ساتھ خوش باش زندگی گزار رہی تھیں۔ ادھر پاکستان میں اماں جی عبدالرؤف صاحب کے جانے کے بعد عزم کے سہارے دن گزار رہی تھیں۔ خیر سے ادھر عزم رؤف کی تعلیم مکمل ہوئی' ادھر اماں جی نے عظمیٰ کو فون کیا کہ پاکستان آ کر بھائی کے لیے لڑکی دیکھیں۔ ان کے بڑے بیٹے اسفند کی اسکولنگ ہو چکی تھی۔ چھوٹا سیف بھی تعطیلات کی وجہ سے فارغ تھا۔ انہوں نے بچوں کو دو ہفتے پہلے بھیج دیا تاکہ وہ پاکستان اچھی طرح گھوم پھر کے دیکھ لیں۔ بعد میں تو ماموں کی شادی کے ہنگاموں کی مصروفیت شروع ہو جائے گی اور وہ دونوں اپنے اسمارٹ سے ینگ سے ماموں کے ساتھ اس دن مری کے کوہساروں پہ گھوم رہے تھے۔ جب ان کے ماما' پاپا کویت سے وطن جاتے ہوئے پلین کریش میں ہلاک ہو گئے۔

عظمیٰ اپنے لاڈلے بھائی کی بری کی شاپنگ کے لیے پاکستان جانے سے پہلے ایک چکر دبئی کا لگانا چاہتی تھیں۔ اماں جی نے کمال حوصلے سے اس خبر کو جھیلا اور بڑی ہمت کے ساتھ وہ ڈھائی سال اور جی لیں۔ ان کے اور عزم رؤف جو خود بھی ابھی ناتجربہ کار اور ماں باپ' بہن بہنوئی کی وفات سے بکھرے ہوئے تھے' نوعمر بھانجوں کا جذباتی سہارا بن گئے۔

شادی سے ابتدا میں تو اس لیے گریز کرتے رہے کہ پے در پے رونما ہونے والے ان ناخوشگوار حادثوں نے دل کی کیفیت بجھی بجھی سی کر دی تھی اور کچھ ویسے ہی وہ کم عمری میں ذمہ داریوں اور فرائض کے بوجھ سے پہلے ہی گھبرائے ہوئے تھے۔ مزید ذمہ داری کا احساس اور ہراساں کر دیتا تھا پھر آہستہ آہستہ لائف سیٹ ہونے لگی۔ بچپن میں ہی ماں باپ کی شفقت سے محروم ہونے والا سیف جو چڑچڑا' رو تھا اور جھگڑالو بنتا جا رہا تھا' عزم کی بھرپور توجہ کے بعد خاصا سنبھل گیا۔ اس کی چڑچڑاہٹ لاپروائی میں بدل گئی اور غصہ لاابالی پن میں ڈھل گیا۔ ایک اور مصیبت۔ مگر عزم نے ان نئی رونما ہونے والی تبدیلیوں سے پنگا لینے کی ہمت نہ کی کہ نجانے ان کو چھیڑنے کے بعد اب اور کیا دیکھنے کو ملے۔ جو بھی تھا' وہ جیسا بھی تھا' اپنے ماموں سے محبت بے تحاشا کرتا تھا اور اس کا اظہار کرنے میں بخل سے کام بھی نہیں لیتا تھا' اسی طرح جب وہ ان کی شاندار رعنائی سے حسد محسوس کرتا تو دل کی بھڑاس باہر نکالنے میں بھی منافقت کا سہارا نہیں لیتا تھا۔

عزم کو اس کی یہی بات سب سے زیادہ پسند تھی' جبکہ اسفند عجیب تھا' چھپا چھپا سا تھا۔ نہ غصے کا اظہار کرتا' نہ محبت کا' نہ کسی بات پر مشتعل ہوتا' نہ ممنون۔ کبھی کبھی عزم کو لگتا جیسے وہ ہر جذبے سے

ملتی ہے۔ خدیجہ ہر گزرتے سال کے ساتھ ان کی
عقل بیاہ اور بہن کی دادی ہو گئی تک قیمت کر
رہے تھے۔ سیف بھی اکثر ان کی یاد آتے ہی بہت
بہت کرتے ہوئے اگر ابھی اسفند بہت [illegible]
کی تھا اور عرم کو بھی نہیں لگتا تھا۔ اس نے کبھی کسی
کی ضرورت محسوس کی ہو اپنے ماموں کی بھی نہیں۔
ویسے بھی اسفند اور عرم روفی کی عمروں میں خاصا
چار پانچ سال کا فرق تھا۔ سیف البتہ خاصے بڑے تھے۔
شاید یہ میں جب اسفند رحمان جویریہ کے عشق
میں گرفتار ہوا تو سب سے زیادہ حیرانی عرم کو ہی ہوئی
تھی۔ وہ تو یہ سمجھے تھے کہ اسفند میں ایسی کوئی حس
سرے سے موجود نہیں۔ تاہم وہ بے حد خوش تھا کہ
چلو کسی سے تو بولی کی اب عرم کم از کم ان کے گھر
کو "چھوٹو" [illegible] پیچھے ہم سے تو نہیں پکارا جائے
گا جبکہ [illegible] ہو اور [illegible] شادی
کے ایک سال بعد ہی جویریہ اسفند نے اپنے سرال سے
الگ ہونے کا [illegible] اس کے بھائی، ماموں اور ملازم تھا جو
کے ساتھ گزارا نہیں کر سکتی۔

"چلو سیف تو تمہارا بھائی ہے مگر یہ تمہارے
ماموں [illegible] ہمت کی لیکن ان کا تمہارے ساتھ رہنا
کسی بھی طرح مناسب نہیں۔"

"بات یہ ہے جویریہ! وہ ہمارے ساتھ نہیں بلکہ
ہم ان کے ساتھ رہتے ہیں۔ ماما بابا کی ڈیتھ کے بعد
انہوں نے ہی۔۔۔"

"تو اب تب نہیں ضرورت ہوگی کسی سہارے
کی مگر اب تو نہیں رہا نا اب بھی خود بچے بچے
سمجھتے ہو۔ تم ان پر انحصار کیوں کرتے ہو اسفند؟
آج کل کی لڑکیاں تو ویسے ہی جوائنٹ فیملی سسٹم میں
رہنا پسند نہیں کرتیں اور تم مجھے ایک ایسے گھر میں
رہنے پر مجبور کر رہے ہو جو تمہارے والد یا بھائی کا
نہیں تمہارے ماموں کا ہے۔ جہاں راج میری ساس
یا نند کا نہیں، میرے ماموں سسر کا ہے۔ تم ہی تو کہو
تمہارے لیے راتوں رات بنگلہ سیٹ کر دیں۔"

کرتے ہیں۔ لوگ طرح طرح کی باتیں
کریں گے۔"

"لوگ تو اب بھی باتیں کرتے ہیں [illegible]
ماموں کوئی بزرگ نما ماموں ہوتے تو [illegible]
کر لیتی مگر اس طرح ان کی موجودگی میں بھی [illegible]
میں ایزی فیل نہیں کرتی۔" جویریہ اسفند [illegible]
عرم روفی کو پتا چلا تو انہوں نے آخری حل سے
تجویز پیش کی۔

"اوپر کے پورشن میں شفٹ ہو جاتے ہیں [illegible]
جاتے ہیں۔ یہ ایسی رہ سکے گی۔"

اس بلڈنگ سے دو منزلہ مکان کا [illegible]
جی نے تب کرائے [illegible] جب عبدالرحمان
صاحب کی وفات ہوئی تھی۔ انہوں نے [illegible]
دو [illegible] کے خیال سے کرائے [illegible]
مگر بعد میں اسفند، سیف کے آنے اور [illegible]
وفات کے بعد کرائے داروں نے [illegible]
ڈیرے میں رہنا گوارا نہ کیا کیونکہ ان کی
بیٹیاں تھیں۔ تب سے یہ پورشن تقریباً خالی تھا
عرم کو اندازہ تھا کہ آنے والی بہو بھی [illegible]
سکے گی دو بھائی کے رشتوں کے بجائے [illegible]
ہی دیکھے گی۔ ان کی اسی تجویز کو بھی رد کر دیا گیا۔
جویریہ ہر حال میں شوہر کو [illegible] کے ساتھ الگ
گھر [illegible] چاہتی تھی [illegible] ہوا۔

اس واقعے کے بعد عرم کو کوئی شادی [illegible]
[illegible] کے خلاف تھے۔ نہ پہلے سے عمر بھر کنوارے
[illegible] رکھا تھا۔ جب انہوں نے [illegible]
سے اس بارے میں سوچنا چاہا تو اسفند نے [illegible]
دھماکا کر دیا [illegible] اس کی خوشی میں خوش تھے
بعد میں ہو جائے گی۔ بلکہ توقع تھی کہ [illegible]
ذاتی دلچسپی سے ہی ان کی شادی کروانے میں مگر
ان کے کنوارے رہنے [illegible]
سوچا کرنے کا خیال نہ آیا۔

اسفند' جویریہ کے ساتھ کینیڈا سیٹل ہو گیا' جہاں اس کے سسر کا ایک سپر اسٹور تھا اور "کاشانہ رؤف" میں باقی رہ گئے یہ تین کنوارے۔ عزم رؤف' سیف الرحمان اور نکا۔

☼ ☼ ☼

"ماہی آوے گا۔ ماہی آوے گا۔
ماہی آوے گا میں پھلاں نال دھرتی سجاواں گی
او ہنوں دل والے رنگلے پلنگ تے بٹھاواں گی۔"

نکا برآمدے میں وانپھ پھیرتے ہوئے لمبی لمبی تانیں بکھیر رہا تھا۔ ہر مصرعے کے اختتام پہ وانپھ دور تک پانی گھسیٹتا چلا جاتا۔

"ہائے۔ جھلاں گی پکھیاں۔
ہر ہاڑ کمن لیاں اکھیاں۔"

گانے کا ردھم ذرا سا تیز ہوتے ہی اب وانپھ زگ زیگ کی صورت میں ادھر ادھر ہونے لگا۔ فرش پہ پڑے سرف کے جھاگ کے چھینٹے اڑ کر دیواروں پر گرنے لگے' عزم نے فوراً ٹوکا۔

"نکے! ڈھنگ سے وانپھ لگاؤ' یہ چھینٹے تو تم نے صاف کرنے نہیں ہیں۔ دیواروں پر داغ لگے رہ جائیں گے۔"

"پائی جان! ایک تو آپ کو پتا نہیں کیا" آخر چڑھی ہوتی ہے سویرے سویرے دھلائی کرانے کی۔ چلو دھلائی کرانی ہے تو خالی پانی سے کرا لو' یہ سرف ضرور ڈلوانا ہوتا ہے۔ کسی دن ایسے ہی وانپھ پھیرتے ہوئے میں گر کے اپنا "لک" (کمر) تڑوا بیٹھا تو پھر۔ نہ میں پوچھتا ہوں کہ یہاں کون سے "بال" (بچے) کھیلتے پھرتے ہیں جو اتنا گند نظر آتا ہے آپ کو۔"

"تمہیں کتنی بار کہا ہے کہ مجھے پائی جان نہ کہا کرو۔" انہوں نے سارا بیان نظرانداز کرتے ہوئے صرف بھائی جان کہلانے جانے پر اعتراض کیا جو ٹھیک بھی تھا۔ اگرچہ نکا تقریباً ان کا ہم عمر تھا مگر جب گاؤں سے آیا تو سوکھا سڑا نیڈی سا لڑکا تھا' اس کے مقابلے میں عزم کی اٹھان اور صحت قابل رشک تھی اس لیے اس نے انہیں بھائی جان کہہ کر پکارنا شروع کر دیا تھا۔ اب دیکھا جائے تو عزم نکے سے چھ سات برس بڑے ہی چھوٹے نظر آتے تھے لیکن وہ ان کے بار بار ٹوکنے پر بھی بڑی ڈھٹائی سے پائی جان کا کلمہ پڑھتا رہتا۔

"تو پھر اور کیا کہوں' برخوردار؟" اس نے جتلایا۔ "بھئی صاحب جی آپ کہنے نہیں دیتے' نام لے نہیں سکتا جو بھی ہے' آخر ہوں تو آپ کا غلام ہی۔ اتنی گستاخی کیسے کر لوں اور فرض کرو میں آپ کا نام لے بھی لوں تو کل کلاں کو آپ کو ہی اعتراض ہو گا کہ یار نکے! تو نے نوکر مالک کا فرق ہی ختم کر دیا۔ لوگ مجھے ملازم اور تجھے صاحب سمجھنے لگے ہیں۔"

"ہاں بھئی' تمہاری پرسنالٹی جو اتنی رعب دار ہے۔" عزم نے جل کر داد دی۔

"ایہہ تے خیر ہے۔" (یہ تو ہے) اس نے فخر سے ڈیڑھ انچ کی گردن ذرا اور باہر نکالنے کی کوشش کی۔

"اس بار تمہارا اینڈ کا چکر نہیں لگا' خیر تو ہے۔ کوئی پنگا تو نہیں لے آئے کسی سے۔" وہ ہر بار کسی نہ کسی چاچے مامے سے لڑ کے ہی واپس آتا تھا' اس لیے عزم نے اس خدشے کا اظہار کیا۔

"کسی کی ہے ہمت جو دلدار سے پنگا لے' او میں تے بیر کھا جاواں' ڈکار نہ ماراں۔"

"سیون اپ میں چٹکی بھر نمک ڈال کے پیا کرو' یہ شکایت بھی نہیں رہے گی۔" اندر سے بیٹ اٹھا کے نکلتے سیف نے طبی مشورہ دیا۔

"ذرا وہاں آ کے دیکھیں' لوگ آ کر مجھے ساتھ لے جاتے ہیں۔"

"اپنے گھروں کے گٹروں کے معائنے کے لیے۔ آخر تم اس کام میں ماہر ہو' سخت سے سخت رکاوٹ بھی۔"

"سیف باؤ! چلو شاباش' تم یہ بلا اٹھاؤ اور باہر نکلو۔" وہ اب سچ مچ برا مان گیا۔

"اور یہ تم آج اتنی جلدی کیسے جاگ گئے۔ ابھی تو صرف نو بجے ہیں۔"

"جلدی! مجھے تو دیر ہو گئی ہے۔ [illegible]

بجے شروع ہونا تھا' اس نکے کو کہا بھی تھا کہ مجھے آٹھ بجے جگا دینا۔"

"آٹھ بجے تمہیں جگانے کے لیے اس کا خود آٹھ بجے جاگنا ضروری ہے' جو کبھی ہو نہیں سکتا۔ خیر تم ناشتہ تو کر لو' رات کا سالن بچا ہوا تھا' اس لیے انڈے نہیں بنائے' بازار سے نان منگوائے ہیں' آجاؤ دونوں مل کے ناشتہ کرتے ہیں۔" وہ چائے کا کپ رکھتے ہوئے اٹھے۔

"مجھے پہلے ہی بہت دیر ہو گئی ہے' ویسے بھی میرا ناشتے کا وقت دس بجے شروع ہو گا' تب تک میں کچھ نہ کچھ کھا لوں گا۔"

"کم از کم منہ ہاتھ تو دھو لیتے' چینج ہی کر لیتے۔" انہیں اس کے مسلے ہوئے ٹیکر' شرٹ اور بکھرے بالوں سے کوفت محسوس ہوئی۔

"آ کر دیکھتا ہوں۔" اس نے گیٹ سے نکلتے ہوئے با آواز بلند تسلی دی۔

"چلو اب یہ وانپھ چھوڑو اور ہاتھ دھو کر میرا ناشتہ لاؤ۔ دیر تو مجھے بھی ہو رہی ہے۔" اور ناشتہ کرتے ہوئے نکے نے بلا تکلف فرمائش کر ڈالی۔

"پائی جان! ایک پانچ چھ سو روپے تو دینا۔"

"وہ کس خوشی میں۔"

"آپ نے یاد دلایا تو مجھے خیال آیا کہ پنڈ چلا ہی جاتا ہوں۔ واقعی کافی دن گزر گئے ہیں' مہینے کا آخیر ہے' میرے پاس تو ڈیڑھ دو سو روپیہ بچا ہو گا۔ ایک پانچ سو کا نوٹ ادھار دے دو۔ بچوں کے لیے تحفے لے جاؤں گا۔"

"ماشاء اللہ۔ یہ خیال آپ کو کیسے آیا۔"

"وہ جی ان بچوں نے ہی دلایا۔ پچھلی بار گیا تو کہنے لگے۔ چاچا ہمارے لیے لاہور سے کیا لائے ہو' فلانے کا چاچا یہ لاتا ہے' فلانے کا وہ لاتا ہے۔ وہ میری بھتیجی بانو تو سیانی ہو گئی ہے' فرمائشیں بھی کرنے لگی ہے' کلپ کانٹے منگوا رہی تھی اس لیے۔"

"ہاں ٹھیک ہے' [illegible] یہ لو' پانچ سو روپے' ان میں صرف ڈھائی سو ادھار ہیں جو میں تمہاری اگلے مہینے کی تنخواہ سے کاٹوں گا' باقی کے میری طرف سے بچوں کے لیے کچھ لے لینا۔"

"ہاں جی' ندیم کے لیے پانی والی پستول اور شکو کے لیے چابی والا جہاز آپ کے پیسوں سے لے لوں گا۔ بانو کے لیے گڈی (گڑیا) بھی آپ کی طرف سے۔ باقی دونوں منڈوں کی شرٹیں' نیکریں' پلاسٹک کی عینکیں اور بانو کے کلپ' چوڑیاں اور بندے ہار میرے پیسوں کے۔"

"اپنی بھابی کے لیے کچھ نہیں لو گے؟"

"رہنے دو جی' ویسے بھی میرے پاس اتنے پیسے۔ اس کے لیے لوں بھی تو کیا' اسے شوق ہی نہیں کسی چیز کا۔ نہ کپڑے کا نہ گہنے کا' نہ ہنستی ہے نہ بولتی ہے۔"

"کب جاؤ گے' زیادہ دن مت لگانا' سیف تو گھر ٹکتا نہیں۔ تم بھی نہیں ہو گے تو کون خیال رکھے گا۔"

"مجھے پتا ہے جی' بس میں جمعے کی شام نکلوں گا' اتوار کی شام واپس آ جاؤں گا۔" وہ برتن اٹھا کر اندر کی طرف گنگناتے ہوئے بڑھا۔

"ساڈا کی اے۔ اللہ ہی اللہ۔
ساری دنیا دو دو ہو گئی
انہاں دم اے کلا۔ اللہ ہی اللہ۔"

آفس کے لیے کار اسٹارٹ کرتے عزم رؤف کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ پھیلی اور پھر جلد ہی سکڑ بھی گئی۔ سوچتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ وہ ذہن میں نکے کا گیت دہرا کے رہ گئے۔

"ساڈا کی اے۔ اللہ ہی اللہ۔"

☼ ☼ ☼

"توں بے میرے ہمیشہ کول رہویں۔
نہ میں دنیا نوں کہہ دواں۔ پرے پرے۔"

"یا وحشت۔" مختصر سے لان میں چائے پیتے عزم رؤف ڈیک کے فل والیم پر اچھل پڑے۔

"توں دے دنیا توں کون ڈرے۔"

دھوم دھڑکے والا میوزک اور تڑیاں ہوتی آواز اندر کمرے کی چھت پھاڑنے کے ساتھ ساتھ باہر لان

کے نازک سے پودے تک اکھاڑنے کے درپے تھی۔

وہ حیران ہو کے اندر سے نکلتے سیف کو دیکھنے لگے جو اچھا بھلا ان کے سامنے بیٹھا چائے پی رہا تھا' اچانک ان کے منہ سے اتنا سننے کے بعد کہ "نکے کے جانے سے گھر کتنا اداس لگ رہا ہے۔" اچھل کے کھڑا ہوا' دھپ دھپ کرتا اندر گیا اور پھر ڈیک میں فل والیم پر یہ گانا۔

"یہ کیا طوفان برپا کر دیا ہے۔"

"آپ نکے کے بغیر اداس ہو رہے تھے' اب نہیں ہوں گے۔ تصور کیجئے کہ نکا خود اپنی سریلی آواز میں یہ تان بکھیر رہا ہے۔"

"پاگل ہو تم۔"

"جی ہاں' آپ کے پیار میں پاگل ہوں۔" وہ روٹھے انداز میں انہیں دیکھنے لگا۔ "آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مجھ سے برداشت نہیں ہوتا کہ آپ میرے علاوہ کسی اور کے بارے میں سوچیں اور آپ کی یہ مجال کہ میں آپ کے سامنے بیٹھا ہوں اور آپ کسی اور کو یاد کر رہے ہیں۔" عزم کو ہنستا دیکھ کر وہ اور شیر ہوا۔

"اور آپ کو پتا ہے' میں آپ کے عشق میں کیا کیا کر سکتا ہوں اور کیا کیا کر چکا ہوں۔ جو ریہ بھابھی کے کان میں نے ہی بھرے تھے آپ کے خلاف تاکہ وہ اپنے میاں کو لے کر رفو چکر ہو جائیں۔ میں دیکھ رہا تھا کہ آپ نہ صرف اسفند بھائی کو زیادہ ہی سر چڑھا رہے تھے بلکہ جو ریہ بھابھی کے بھی آگے پیچھے پھرنے لگ گئے تھے۔ بیٹا گھوم پھر آؤ۔ بیٹا ڈنر باہر کرنے چلے جاؤ۔ ہونہہ۔ کیسا پتا صاف کیا اور وہ جو کبھی بھولے بھٹکے آپ کی خالائیں' ممانیاں جو رشتے لے آتی ہیں' انہیں تو دو گیارہ کرنے کا کام بھی میں کرتا ہوں۔" اس نے جی بھر کے جھوٹ بولے اور عزم جانتے تھے کہ وہ بے سر پیر کی ہانک رہا ہے' یونہی متاثر ہونے کی اداکاری کرتے رہے۔

"تو مجھے پتا ہی نہیں اور میں تمہارے احسانوں کے بوجھ تلے دبا ہوا ہوں۔"

"اسے کہتے ہیں۔ نیکی کر' دریا میں ڈال۔ ویسے ماموں! نیکی کیا مچھلیوں کی مرغوب غذا ہے جو اسے دریا میں ڈالا جاتا ہے۔"

"واہ جی! اکیلے اکیلے چائے پی جا رہی ہے۔" دو گھر پرے رہنے والے شاہ جی بے تکلف اندر داخل ہوتے ہوئے بولے۔ رات سے پہلے "کاشانہ کنوارہ" کا گیٹ کبھی لاک نہیں ہوا تھا اور نہ ہی کسی آنے والے نے کبھی کال بیل بجانے کی زحمت کی تھی۔ سب ہی جانتے تھے کہ یہاں چھڑے چھانٹ رہتے ہیں اور بھی کوئی نیا ملنے جلنے والا اخلاقاً" دستک دے بھی دیتا تو نکا گاتا۔

"کنڈی نہ کھڑکا سوہنیا۔ سدھا اندر آ۔"

اس وقت بھی شاہ جی جن کا پراپرٹی کا بزنس تھا' سیدھے لان میں گھس آئے۔

"جاؤ سیف! اندر کیتلی میں چائے ہے' گرم کر کے لاؤ انکل کے لیے۔" جیسے نکا انہیں پائی جان کہنے سے باز نہیں آتا تھا' ایسے ہی وہ شاہ جی اور محلے کے چند دیگر "شرفاء" کو انکل کہنے سے نہیں چوکتے تھے۔

"خالی چائے نہیں' کوئی مٹھائی شٹھائی بھی لاؤ۔ اچھی خبر لایا ہوں اور تم۔ تم مجھے انکل کہنا مت چھوڑنا۔"

"کیسی خبر انکل۔"

"پھر انکل۔ یار! کچھ تو شرم لحاظ کرو' اسکول میں تم سے صرف چار جماعتیں آگے تھا۔ وہاں تو تم بھائی جان کہا کرتے تھے' میری شادی ہوئی' بچے ہوئے' تب تم نے بھائی صاحب کہنا شروع کر دیا' اب انکل پہ سوئی اٹک گئی ہے۔"

"انکل! آپ کے بچے ماشاء اللہ جوان ہو رہے ہیں۔ ان کے سامنے میں آپ کے ساتھ بے تکلفی کا مظاہرہ کرتا اچھا تو نہیں لگوں گا۔ لیں چائے آگئی ہے۔ اور یہ دیکھیں سیف! بھلا کتنا فرق ہے اس کی اور میری عمر میں۔ انیس بیس کا لیکن یہ مجھے ماموں کہتا ہے' میں نے تو کبھی برا نہیں مانا۔ آخر اس میں میری ہی

عزت ہے اور یہی عزت میں آپ کو دیتا ہوں۔"

"تم برا کیوں مانو گے' تم ہو ہی مامے مگر میں کس رشتے سے تمہارا انکل ہو گیا اور یہ تم نے سچ کہا۔ آخر تمہاری اور سیف کی عمر میں فرق ہی کتنا ہے۔ انیس بیس کا۔ ہاں بھئی انیس بیس آٹھ سال کا فرق ہی تو ہو گا۔"

"آپ غالباً' کوئی اچھی خبر سنانا چاہ رہے تھے۔" عزم نے پلیٹ میں پڑا واحد بسکٹ بھی اٹھا کے منہ میں رکھ لیا اور "انکل" دیکھتے رہ گئے۔

"آخر کار میں تمہارے مکان کا اوپر والا پورشن کرائے پر چڑھانے میں کامیاب ہو ہی گیا ہوں۔"

"کیا کہہ رہے ہیں آپ انکل!" سیف چلایا' اور چونکہ اس کے کہنے پر شاہ جی کو زیادہ اعتراض نہ تھا اس لیے مزید بتانے لگے۔

"اور کیا۔ سچ یہ میری زندگی کا سب سے اوکھا کام تھا' میں نے ایسے ایسے مکان کرائے پر چڑھوائے ہیں جن کی دیواریں ہلتی تھیں' چھتیں ٹپکتی تھیں' فرش میں گڑھے کھدے ہوئے تھے۔ ایسے ایسے پلاٹ بکوائے ہیں جہاں خانہ بدوش بھی جھگیاں لگانے پر تیار نہیں ہوتے تھے مگر یہ تمہارا مکان۔ اف۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے' کتنے سال سے کوشش کر رہا تھا مگر جو آتا' جگہ' علاقہ' محلہ' پورشن سب پسند کرنے کے بعد صرف اس لیے توبہ توبہ کرتا چلا جاتا کہ یہاں "چھڑے" رہتے ہیں۔ کوئی پاگل کا پتر ہی ہو گا نا جو بیوی' بہن یا بیٹی کو لے کر یہاں رہتا۔ چھڑوں کا ڈیرہ کسی بھڑوں کے چھتے سے کم نہیں ہوتا۔"

"میں نے تو آپ سے کہا تھا کہ اگر فیملیز رہنے پر تیار نہیں تو آپ بیچلرز کو ہی دے دیں۔"

"کیوں محلے میں جوتے کھانے ہیں۔ بھئی تم تو اس محلے کی پیداوار ہو۔ اتنے سے تھے جب رؤف صاحب نے یہ مکان بنوایا۔ یہاں کا ہر فرد تم سے اور تمہارے گھرانے سے واقف ہے' اس لیے آج تک کبھی کوئی مسئلہ نہیں ہوا۔ اب اگر تم اوپر کنواروں کا ہاسٹل کھول لیتے تو نجانے کس کس قماش کے چھوکرے آکر بس جاتے۔ آس پاس سب ہی شریف لوگ' بہو بیٹیاں سنبھالے بیٹھے ہیں۔ ان کے ساتھ ساتھ تمہیں بھی چھتر پڑتے اور مجھے بھی گالیاں۔ کہ کیا سوچ کر اس محلے میں اودھم مچایا ہے۔"

"اور یہ جو فیملی آ رہی ہے' انہیں کوئی اعتراض نہیں۔ آپ تو کہہ رہے تھے کہ کوئی پاگل دا پتر ہو گا جو یہاں کرائے دار رہنا پسند کرے گا تو کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ وہ پاگل دا پتر کون ہے۔" سیف نے نکتہ اٹھایا۔

"ذرا تمیز سے برخوردار۔ بزرگ ہیں وہ۔"

"اوہ سوری' میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔"

"توبہ بھی میرا کام تھا کرائے دار ڈھونڈنا۔ پندرہ سال سے ناکامی کا جو احساس مجھے کھا رہا تھا اس سے تو نجات ملی۔ اب میرے کیریئر پر کوئی دھبا نہیں۔ باقی رہا یہ سوال کہ وہ کرائے دار تمہیں کتنے روز سہے تو اس بارے میں مجھے کوئی خوش فہمی نہیں۔ خصوصاً تمہارے اس بھانجے کے ہوتے ہوئے اور وہ کہاں ہے تمہارا انجا سنیما۔"

"وہ اپنے پنڈ میں جمعے سے پیر تک کا شو لگانے گیا ہے۔"

"تو چلو اس بات کی گارنٹی تو میں دیتا ہوں کہ اگر وہ کل آ گئے تو پرسوں یعنی پیر تک تو گزارہ کر ہی لیں گے۔"

✿ ✿ ✿

اور اگلے روز اتوار کی دوپہر کو وہ آئے تھے۔ مگر بغیر سامان کے دونوں عمر رسیدہ میاں بیوی صرف مکان دیکھنے اور ضابطے کی کارروائی کرنے آئے تھے۔ شاہ جی انہیں عزم سے ملوانے کے بعد ایک آدھ گھنٹے میں دوبارہ آنے کا کہتے ہوئے چلے گئے۔ سیف حسب معمول میچ کھیلنے گیا ہوا تھا۔ عزم اکیلے بیٹھے ٹی وی پہ لگے مزاحیہ ڈرامے سے وقت گزار رہے تھے جب یہ لوگ آئے۔ شکل و صورت سے شریف النفس سیدھے سادے اور رکھ رکھاؤ سے خاندانی نظر آ رہے تھے۔ بڑے میاں نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"میرا کام تم ہمارے زیادہ ایڈوانس نہیں دے سکتے بلکہ دینا ہی نہیں چاہتے۔ دراصل ہمارا سارا خاندان بہاولپور سندھ میں ہے ہم پچھلے اٹھارہ سال سے لاہور میں مقیم ہیں یہاں ذاتی گھر بھی بنا لیا اور کاروبار بھی۔ میرے اکلوتے بیٹے کی تین سال پہلے وفات ہو گئی اب چھ مہینے پہلے اس کی بیوی۔ ہماری بہو جو میری بچی تھی وہ بھی گزر گئی۔"

"اوہ۔ بہت افسوس ہوا۔" مرم کو پتے [illegible] ان بزرگ [illegible] دیکھ کے [illegible] نے گھیر لیا۔

"میں نے مکان بیچا ہے اور [illegible] بھی۔ اور اب کر زندگی کے باقی سال اپنے وطن میں اپنی برادری کے ساتھ گزاروں مگر ایک ضروری کام پھنسا ہوا ہے جس کی وجہ سے ابھی کچھ عرصہ اور لاہور رہنا پڑے گا اس لیے یہ مکان کرائے پر دے رہے ہیں لیکن تم زیادہ سے زیادہ ایڈوانس میں نہیں دیں گے کیونکہ امید ہے کہ اس عرصے میں میرا کام ہو جائے گا تو میں واپس چلا جاؤں گا۔"

"کوئی بات نہیں بزرگوار آپ ایڈوانس بے شک نہ دیں۔"

"یہ تو اصول کے خلاف ہے ایڈوانس [illegible] کے طور پر کچھ تو دینا ہوگا۔" وہ شاید خاصے وضع دار اور اصول پرست انسان تھے۔

"جی ٹھیک ہے آپ وہ ہمارے کرائے کے [illegible] رقم بطور ضمانت دے دیں۔ مکان چھوڑنے پر آپ کو واپس مل جائے گی۔ دراصل [illegible] بھی کافی عرصے سے کرائے پر اٹھ رہا ہے مجھے ایسی خاص ضرورت تو نہیں [illegible] ہماری [illegible] کے لیے میری جاب کافی ہے مگر [illegible] مکان [illegible] اور [illegible] بہتر ہے اس لیے کرائے پر [illegible] کافی عرصے سے کوشش کر رہے تھے مگر کوئی کرائے دار ملتا ہی نہیں تھا اس لیے میں نے یہ کہا کہ آپ کہہ دیں کہ مکان بغیر ایڈوانس کے کم کرائے پر مل رہا ہے۔ شاید اس سہولت پر کوئی متوجہ ہو جائے۔"

"مگر اتنا بڑا اور صاف ستھرا پورشن اتنے کرائے [illegible] کوئی بھوت آسیب وغیرہ" وہ خاتون ہنس پڑی تھیں۔

"نہیں خالہ جان" وہ ہنس پڑے "ایسی نہیں دراصل لوگوں کو اعتراض ہو [illegible] دراصل ہمارے ساتھ کوئی خاتون نہیں رہتی اس لیے"

"خیریت تو تشویش کی تو ہے مگر لوگوں کو [illegible] کی تو پہچان ہونی چاہیے۔ [illegible] کے ہوتے ہوئے [illegible] نہیں ہوتے" [illegible] ہوئے کہا۔ "آپ تو ماشاء اللہ شکل اور اطوار سے اچھے بھلے باپ کی اولاد لگ رہے ہو کسی اچھی تربیت کی ہے بیٹھے رہو۔"

"جی شکریہ یہ تو آپ کی محبت ہے چچا جان" برخوردار [illegible] کے شوق میں وہ [illegible] رشتے ہو رہے تھے ان خاتون کو خالہ اور ان کے مجازی خدا کو چچا بنا لیا۔

"اور ہم خاتون خانہ [illegible] کہاں ہیں آپ کے [illegible]"

"جی" وہ [illegible] تک تو کچھ نہ تھے پھر سارا مسئلہ روشن ہو گیا۔

"[illegible] میں ہی ہوں۔" [illegible] شرمساری سے اعتراف جرم کیا گیا۔

"کیا۔ آپ [illegible] خوب" وہ [illegible] کہنے لگے "معاف کرنا مجھے غلط فہمی ہوئی تھی [illegible] آپ خود کم عمر نوجوان ہیں [illegible] مسئلہ [illegible]"

مرم رؤف پھولے نہ سمائے [illegible] متلاشی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا [illegible] نہ تو کوئی موجود تھا [illegible]

[illegible]

"[illegible] میں مبتلا کرنے والی۔"

"افسوس [illegible] ابھی دوران شادی اپنی [illegible] کے ساتھ [illegible]"

"جی شکریہ [illegible] آپ [illegible] رہے تھے"

"میں [illegible] کل ہم شفٹ ہو جائیں [illegible]"

مرم کو یوسف [illegible] اچھی طرح [illegible] کل [illegible] جانے کے بعد جب وہ [illegible]

"حیرت ہے [illegible] ہے۔"

"ارے اس میں شادی کا کوئی [illegible] نہیں۔ وہ بزرگ ہیں [illegible] اور ان کی [illegible] عمر میں [illegible] ہو سکتا ہے۔"

[illegible]

تمہیں اس سے بڑھ کر [illegible] کے تعلقات [illegible]
[illegible] کے جواب میں [illegible] نہیں کے رنگ کے
[illegible] ہو۔

"[illegible] ہو گئے ہو۔"

"ہاں تو ہے کہ تمہیں [illegible] آنکھوں کی [illegible]
میں [illegible] رات [illegible] سے [illegible] گئے۔" وسیم [illegible]
[illegible] گئے۔

"بھابی آپ نے [illegible] نہیں [illegible] ہے [illegible]
چلا گیا [illegible] جیسے [illegible]
[illegible] کی [illegible] میں ہی [illegible] ہو گی۔"

"[illegible] تمہارے [illegible] سے [illegible] اور [illegible] ہوئے
اتنے ہی [illegible] ہیں تم [illegible] ان کی [illegible] کیا
کرو۔"

"[illegible] آپ کے [illegible] نہیں [illegible] آپ
کی سمجھ میں [illegible] صبح و شام [illegible] سے [illegible]
جائے۔"

"میری سمجھ میں تو آج تک تمہارا یہ [illegible]
نہیں آیا۔"

"[illegible] آپ میرے ساتھ [illegible]
[illegible] میں آپ کے [illegible] کی [illegible]
[illegible] آپ [illegible] کی خلاف [illegible]
کرتے ہیں۔"

"[illegible] تمہارے [illegible] کی [illegible] کر
[illegible] ہیں [illegible] آخر [illegible] میری
[illegible] کوئی۔"

"[illegible]" سیف نے [illegible]
"[illegible] تو میں [illegible] ہوں۔"
[illegible]
[illegible] کہتے ہیں [illegible] ان کا حال دیکھا ہے آپ
نے [illegible]
آنکھوں کے [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] ہیں۔"
[illegible]

[illegible] مجھ سے [illegible]
ہے۔

"تم اپنے [illegible] کہیں زیادہ [illegible]
حال [illegible] فرق ہو گا۔ ہاں ایک بات [illegible] آپ [illegible]
سے کہہ دیں [illegible] آنکھوں میں [illegible]
[illegible]
آپ کو بھی [illegible] کی طرح [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] گئے۔

رات کو جب [illegible] سب [illegible] نہیں [illegible]
[illegible] سے [illegible] گیا۔

"[illegible] تو تم [illegible] ہو گا [illegible]
[illegible] کوئی بات ہوئی تو [illegible]
[illegible] ہے۔"

"دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] میرا [illegible] کوئی بھی نہیں ہے [illegible]
ہے۔" [illegible]
رونے لگی۔ [illegible]

"[illegible] کیا ہے [illegible] کیا بات ہوئی ہے
تم نے کیا [illegible] تمہارا کوئی نہیں ہے [illegible]
[illegible] سیف ہے [illegible] تمہارے اپنے [illegible]
تمہارا [illegible]
[illegible]
میں [illegible] کے [illegible] تمہاری [illegible]
ہے [illegible]"

"[illegible] بابا جان [illegible] نے مجھے کیا [illegible]

ہے' وہ تو خود حیران رہ گئی کہ لوگ کس کس طرح کی باتیں کر جاتے ہیں۔ پائی جان! پچھلی باری بھی پٹواری صاحب نے مجھے کہا تھا کہ کیا بات ہے' اب تم بڑی جلدی جلدی پھیرے لگاتے ہو' میں سمجھا' مذاق کر رہے ہیں لیکن اس باری میں گیا تو سویرے سارا پنڈ ہمارے ویہڑے (صحن) جمع ہو گیا۔ میری چاچیاں' پھوپھی' تائی' مامے' چاچے' ماسیاں' سارے اکٹھے تھے۔ لگتا تھا پنچایت لگنے والی ہے اور جی شاید یہ پنچایت ہی تھی۔ فیصلہ تو انہوں نے ایسے ہی سنا دیا۔"

"کیسا فیصلہ؟"

"یہ کہ میں اب گاؤں آؤں تو اس گھر میں نہیں رہ سکتا۔ جوان بھابی کے ساتھ ایک گھر میں میرا رہنا انہیں بے حیائی لگتا ہے۔ وہ کہتے ہیں یا تو یہاں آنا چھوڑ دے یا پھر۔۔۔ یا پھر بھابی سے نکاح کر لے۔"

"کیا؟ یہ فیصلہ سنانے والے وہ کون ہوتے ہیں۔ ٹھیک ہے کہ بھابی دیور میں کوئی شرعی رشتہ نہیں۔ خصوصاً تمہارے بھائی کے مرنے کے بعد مگر اس کے تینوں بچوں کا تم سے خون کا رشتہ ہے' تم ان کے والی اور سرپرست ہو۔ وہ ہوتے کون ہیں تمہیں ان کی زندگی سے بے دخل کرنے والے یا ایسا فیصلہ سنانے والے۔"

"وہ کہتے ہیں کہ یہی ٹھیک ہے۔ بھابی نے بتایا ہے کہ گاؤں والے کب سے اس پر بھی زور ڈال رہے ہیں کہ وہ دوسرا بیاہ کر لے۔ مجھے بھی انہوں نے کہہ دیا ہے کہ یا تو خود نکاح کر لے بھابی سے یا پھر بھابی کا نکاح کسی اور سے۔ بھابی تو صاف انکار کرتی ہے۔ ٹھیک بھی ہے' نانو بارہ سال کی ہو گئی ہے۔ سوتیلے باپ کوئی قابل اعتبار ہوتے ہیں پائی جان!" وہ بڑے سیانے پن سے تجزیہ کر رہا تھا۔

"میکے بھی نہیں جا سکتی۔ بے چاری یتیم ہے' بھائی پوچھتے بھی نہیں۔ جیسی بھی ہے ادھر عزت کی روٹی تو کھا رہی ہے۔ گھر کے اندر کریانے کی دکان ہے' خود ڈیلتی ہے' محلے کی ساری عورتیں اس سے سودا خریدتی ہیں اور دو چار سال گزریں گے۔ ندیم دکان

بیٹھنے کے قابل ہو جائے گا۔ تین سال تو ہو گئے گزر گئے۔ پانچ چھ سال اور گزریں گے تو تھوڑی بیٹے ہو کر آسرا بن جائیں گے۔"

"مگر کوئی گزارنے دے گا تب نا۔" عرم نے کچھ سوچ کر سر ہلایا۔

"پانچ چھ سال۔۔۔ نکے! پانچ چھ سال۔۔۔ کیسے عورت گزارے یہ پہاڑ سے سال۔ جوان ہوتی بچی کے ساتھ اسے عزت اور بھرم کی ضرورت ہے نہ کہ یہ کہ گاؤں بھر اس کے بارے میں چہ میگوئیاں کرے۔ یہ بات آگے چل کر اس کی اپنی بیٹی کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔"

"پھر اور کیا ہو سکتا ہے پائی جان!" وہ مایوس سا بولا۔

"تم اس سے شادی کر کیوں نہیں لیتے۔"

"پائی جان!" وہ احتجاجاً چلایا۔ "میں نے اس لیے آپ کو یہ بات بتائی تھی کہ آپ بھی۔۔۔"

"اطمینان سے میری بات سنو نکے۔" عرم نے بمشکل اسے واک آؤٹ سے روکا۔

"تمہارے گاؤں والوں کا ردِعمل ضرورت سے زیادہ شدید اور جارحانہ ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ کوئی اس پر اعتراض بھی نہیں کر سکتا۔ آخر یہ شرعی نکتہ ہے۔ تم کوئی دودھ پیتے بچے تو نہیں ہو اور تم نے بتایا ہے کہ تمہاری بھابی بھی کوئی عمر رسیدہ عورت نہیں بلکہ تمہاری ہم عمر ہی ہے۔ اگر لوگ انگلی اٹھاتے ہیں تو یہ موقع فراہم ہی کیوں کیا جائے۔ وہ عورت پہاڑ سی زندگی ایسے طعنے سن سن کر کیسے گزارے گی۔ بیٹے تو دونوں ہی ابھی آٹھ نو سال کے ہیں اور بیٹی۔۔۔ ابھی تم نے خود اعتراف کیا ہے کہ سوتیلے باپ قابل اعتبار نہیں ہوتے۔"

"ہاں تو ٹھیک ہے پائی جان' نہیں جاتا میں ادھر رہنے۔" اس نے ہٹ دھرمی سے اعلان کیا۔ "نہ جاؤں گا' نہ کوئی بات کرے گا۔"

"نہیں رہی' اگر میں اس کے لیے

"جذباتی مت ہو۔ وہ یتیم بچی باپ کے سائے سے محروم' کیا اسے بالکل ہی لاوارث کرنا چاہتے ہو۔ علی الاعلان گاؤں بھر میں یہ اعلان نشر کروا کے کہ تم سب کی آنکھیں کھول دو گے کہ تم آئندہ وہاں ہرگز نہیں جاؤ گے۔ یعنی اب وہ بالکل بے آسرا ہیں' کوئی پوچھنے والا نہیں' ہونا چاہیے سلوک کرو۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو پائی جان!" وہ گھبرا گیا۔

"یہی باتیں' وہ بچی تمہاری کچھ لگتی ہے۔ وہ بچے تمہارے اپنے بازو ہیں' ان سے لاتعلق ہو کر تم مطمئن نہیں رہو گے۔"

"پتا نہیں جی۔۔۔ مگر میں یہ کام نہیں کر سکتا۔ کیسے۔ بارہ سالوں سے جس عورت کو بھابی کہتا آ رہا ہوں' اسی سے شادی۔۔۔ مشورہ دینا آسان ہے پائی جان! خود پر پڑے تو کرنا مشکل۔" وہ کسی طور نہ مانا بلکہ سختی سے اعلان کر دیا کہ اب دوبارہ اس بارے میں کوئی اسے سمجھانے کی کوشش نہ کرے۔

"میرا دماغ خراب ہے جو دوبارہ سے "پائی جان" کی تکرار سن سن کر دماغ پکاؤں۔" عرم نے بڑبڑا کر سر ہلایا۔

* * *

"مجھے تو سخت شرمندگی محسوس ہو رہی ہے۔" عرم روف نے ٹرے میں بچی پلیٹوں کو دیکھ کر کہا۔

"کل ان کا اس گھر میں پہلا دن تھا۔ اصولاً تو ہمیں کچھ نہ کچھ بنا کے بھیجنا چاہیے تھا مگر نکے کے ہاتھ کا کھانا عام حالات میں ہی گزارے لائق نہیں ہوتا اور آج کل تو اس کا موڈ بھی اس کے ہاتھوں کی طرح انتہائی بدذائقہ ہو رہا تھا۔ اس لیے رہنے دیا اور ان لوگوں نے آج یہ ٹرے بھر کے بھیج دی۔ پوچھنے کی بات یہ ہے کہ بھیجی کیوں۔"

"ماموں! آپ آم کھائیے پیڑ نہ گنیے۔"

سیف نے چنے پلاؤ کی پلیٹ

گنتے گنتے تم کوئی اور چیز ہی بن جاتے۔"

"یہ تم کیا کر رہے ہو بے ہودہ انسان!" انہیں اس طرح الٹے چاول کھاتے دیکھ کر غصہ آ گیا۔

"مٹھی بھر چاول۔" اس نے ذرا اعلیٰ انداز میں کہتے ہوئے بھرے ہتھیلی پر رکھے چاولوں پر منہ مارنا شروع کر دیا۔

"بھیا! پلیٹیں لے جاؤں۔" سیڑھیوں سے آواز آئی۔ ان دونوں نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ سیڑھیوں کے آخری سرے پر کھڑی تھی۔ وہی دو چوٹیاں' شرارتی آنکھیں' کھنکتا لہجہ۔

"نکے! اسے خالی کرو بلکہ ایسا کرو۔۔۔ نہیں۔۔۔ تم نے بھلا کیا بنایا ہو گا۔" انہیں خیال آیا پھر معذرت خواہانہ لہجے میں اس سے کہنے لگے۔

"بہت شرمندگی ہو رہی ہے آپ کو خالی پلیٹیں لوٹاتے ہوئے۔ اخلاقاً تو ہمیں بھی آپ کو کچھ بھجوانا چاہیے تھا لیکن کیا ہے کہ ہمارے ہاں کھانے کا اہتمام ہوتا ہی نہیں۔ ہم تینوں دن میں ایک وقت اکٹھا کھانے کے لیے۔"

"جی جی۔۔۔ مجھے پتا ہے' دادی بھی یہی کہہ رہی تھیں کہ بچے پتا نہیں کیا پکاتے ہوں گے کیا کھاتے ہوں گے' حالانکہ دادی نے کہا بھی کہ وہ بھی پکاتے ہوں گے اور کھاتے ہیں' سالوں سے پکاتے اور کھاتے چلے آ رہے ہیں' عادی ہو گئے ہوں گے۔ قاضی ہی خوامخواہ فکر میں رہتے ہیں۔ مجھے ایک بات کی سمجھ نہیں آئی کہ فکر تو دادی کر رہی تھیں یہ قاضی جی کیسے بولے ہو رہے ہوں گے اور اس بات کا علم دادی کو کیسے ہوا۔" اس کے چہرے پر بولتے پر عرم روف نے بڑی ملامت ہو کے سیف الرحمان کو دیکھا۔

"ٹھیک ایک اور۔" وہ بڑبڑائے۔

"جی بھیا! کیا کہا آپ نے؟" وہ کچھ اور بھی اتری۔

"آپ بہت میٹھا بولتے ہیں جی۔ شاید کسی نے آپ کو کہہ دیا ہو گا کہ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں لیکن بھیا! بے فکر رہیں میں نے ہر طرح کی دیوار دیکھی ہے مجھے تو کچھ بھی کان نظر نہیں

آئے۔"

"سیف! جاؤ تم خود جا کر کچن سے ان کے برتن لے آؤ۔" ان میں زیادہ سننے کی تاب نہیں تھی۔ اس باتونی لڑکی سے تو کہیں درجہ بہتر طریقے سے سیف محاوروں کا حشر نشر کیا کرتا تھا، اس نے تو بالکل ہی۔۔۔

"دل نشیں۔۔۔ دل نشیں۔۔۔ کہاں گئی ہو۔" اوپر سے کڑکتی آواز آئی جو غالباً دادی کی تھی۔ اس نے وہیں آخری سیڑھی پر کھڑے کھڑے بے ڈھنگے پن سے منہ اوپر کر کے آواز لگائی۔

"آئی دادی۔۔۔" اس قدر تیز پکار پر عزم اور سیف کو اپنے کانوں میں نیزے چبھتے محسوس ہوئے۔ اس نے دوبارہ ان کی طرف دیکھ کر وضاحت کی۔

"دادی ذرا اونچا سنتی ہیں۔" اور پھر سے دادی سے باآواز بلند رابطہ قائم کیا۔

"نیچے سے خالی برتن واپس لینے آئی ہوں۔"

"برتن کیا کہیں بھاگے جا رہے تھے، تمہیں کیا کہا تھا تمہارے دادا نے 'سنا نہیں تھا کیا۔ چلو اوپر آؤ۔"

جواباً "دل نشیں نام کی اس کچھ بھولی، کچھ سیانی۔۔۔ کچھ احمق سی، کچھ ہوشیار سی۔۔۔ کچھ معصوم سی، کچھ چالاک سی نوعمر لڑکی نے برا سا منہ بنایا۔ اتنی دیر میں نکا دھلے ہوئے برتن ٹرے میں رکھ کے واپس دے گیا تھا۔ وہ لے کر اوپر چلی گئی۔

"کتنا دل نشیں سا لگتا ہے۔" سیف الرحمان نے صوفے پر نیم دراز ہوتے ہوئے یہ مصرعہ گنگنایا اور خود کو خود ہی جی بھر کے داد دی۔

"واہ واہ۔۔۔ مکرر۔۔۔ کتنا دل نشیں سا لگتا ہے۔ واہ جی واہ۔۔۔ کتنا۔۔۔ بھئی عرض کیا ہے۔ کتنا۔۔۔ کتنا دل نشیں سا لگتا ہے۔"

"بے ارادہ تجھے دکھی کرنا۔" وہ بڑے جذب کے عالم میں سر دھنتا ہوا اس ایک مصرعے کی تکرار کیے جا رہا تھا کہ عزم نے اس کے سر پر ایک زوردار دھپ لگاتے ہوئے شعر مکمل کیا۔

✡ ✡ ✡

غلام حسین صاحب نے حسب وعدہ تین ماہ کے ایڈوانس کرائے کے مساوی رقم ادا کی [illegible] رؤف نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ [illegible] کے نام پر کچھ نہیں چاہیے [illegible] پورشن کی دیکھ بھال نہیں کی [illegible] دار کے آنے کی امید ہی نہیں تھی [illegible] اب خیال آیا تو انہوں نے خود غلام حسین صاحب سے بات کرنے کا سوچا۔

"نہیں بیٹا! ایسی کی خاص ضرورت نہیں [illegible] کون سا یہاں مستقل رہنا ہے، بس یہ کام [illegible] ہو جائے۔"

"ہو سکتا ہے چچا جان! رہنا پڑ جائے۔" وہ خوش [illegible] سے بولے۔ "آپ کا لاہور میں دل لگ جائے [illegible] آپ کا کام ہی لمبا ہوتا جائے۔"

"اللہ نہ کرے۔" وہ دہل کے بولے تو عزم شرمندہ ہو گئے۔

"سوری چچا جان! شاید میں کچھ غلط کہہ گیا۔"

"کوئی بات نہیں بیٹا! اب تمہیں بھلا کیا پتا کہ۔۔۔" ان کے شانے مزید جھک گئے۔

"پھر بھی انکل! مجھے کم از کم رنگ و روغن تو کروا لینا چاہیے۔ آپ کو کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔ [illegible] دو بندے بھیج دوں گا، خود ہی سامان وغیرہ نکال [illegible] گے۔ بعد میں صفائی بھی کر دیں گے اور کوئی مسئلہ ہو وہ بھی بتا دیں۔ کسی پلمبر کی ضرورت ہو، کوئی لائٹ [illegible] مسئلہ ہو، گیزر تو کام کر رہا ہے نا۔"

"ہاں بیٹا! شکریہ۔ سب بالکل ٹھیک ٹھاک ہے۔ تم خوامخواہ تردد کر رہے ہو۔ ہمیں تو بس یہ مشکل وقت گزارنے کے لیے چند دنوں کا ٹھکانا چاہیے تھا۔ میں نے اپنا گھر بیچنے میں کچھ زیادہ ہی جلدی کی۔ کیا پتا تھا کہ۔۔۔" وہ ایک بار پھر وہاں بیٹھے بیٹھے کہیں اور گم ہو گئے تو عزم خود کو سوال کرنے سے روک نہ سکے۔

"چچا جان! اگر آپ کو ناگوار نہ گزرے تو کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ ایسی کیا مشکل پیش آ گئی۔ میرا مطلب ہے کہ آپ کس کام کی وجہ سے یہاں رکے ہوئے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ میں آپ کے کسی کام

"کیس بیٹا! وہ ایک مقدمہ ہے۔" اسی نے الجھا رکھا ہے۔ پیشی پر پیشی ڈالے جاتے ہیں۔ دو سال ہونے کو ہیں۔"

"وہی جائیداد وغیرہ کا مسئلہ ہے یا۔۔۔؟"

"نہیں۔۔۔ کچھ نہیں۔ بس تھوڑے دنوں کی بات ہے۔ ان شاء اللہ یہ قصہ بھی نمٹ ہی جائے گا۔" صاف لگ رہا تھا کہ وہ مزید کچھ بتانے کے موڈ میں نہیں۔ عزم کو بھی اور اصرار کرنا مناسب نہ لگا۔ ویسے وہ خاصے مشفق انسان تھے۔ ملنسار اور سادہ فطرت۔ عزم اور سیف کے ساتھ ساتھ محلے سے بھی محبت سے پیش آتے۔ دادی یعنی بیگم غلام حسین ذرا سی محتاط طبیعت رکھتی تھیں۔ پہلے پہل عزم کو لگا وہ بھی محلے کی دیگر خواتین کی طرح انہیں "چھڑا چھانٹ" سمجھتے ہوئے پرہیز کرتی ہیں۔ لیکن پھر محسوس ہوا کہ نہ صرف ان سے بلکہ آس پڑوس کی دیگر خواتین سے بھی انہوں نے میل ملاپ بڑھانا ضروری نہیں جانا تھا۔ حالانکہ فطرت و عادات کے لحاظ سے وہ کوئی خشک مزاج یا سخت گیر بھی نہ لگتی تھیں۔ جب بھی ان سے سامنا ہوتا، ایک نرم مہربان مسکراہٹ اور بے لوث دعاؤں سے نوازتیں۔ شاید یہ احتیاط اپنی پوتیوں کی وجہ سے کرتی ہوں۔ ان دونوں لڑکیوں کو بھی نہیں آتے جاتے نہیں دیکھا گیا۔ بڑی والی تو اس دن کے بعد نہ دکھائی دی، نہ سنائی دی۔ چھوٹی دل نشیں البتہ کسی نہ کسی بہانے آ جاتی۔ کبھی کچھ کھانے کی چیز دینے، کبھی برتن واپس لینے، کبھی اپنی دادی کے لیے بی پی آپریٹس لینے۔ ایک بار سیف نے پیشکش کی۔

"میں چیک کر لوں دادی کو۔"

"جی نہیں، ہمیں سب آتا ہے۔"

"سب؟" اس نے بھولپن سے آنکھیں پٹ پٹا کے پوچھا۔

"کیا مطلب؟" وہ جاتے جاتے مڑی اور اس کی دونوں چوٹیاں جھول کر دائیں سے بائیں اور بائیں سے دائیں چلی گئیں۔ ویسے ہی جیسے سیف کا دل ایک دم سے ادھر ادھر ہو گیا تھا۔ اسی لمحے اوپر سے اس کی دادی کی آواز آ گئی۔ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا تھا، ایسا لگتا تھا جیسے دادی کو اور کام ہی کوئی نہیں تھا، سوائے دل نشیں کی چوکیداری کرنے کے۔

✡ ✡ ✡

انہیں آئے ایک مہینہ ہی گزرا تھا اور یہ اتنا طویل عرصہ بھی نہیں تھا کہ زمین آسمان کا فرق نمایاں ہونے لگتا مگر کچھ تبدیلیاں تو آئی تھیں گھر کے اندر بھی اور باہر بھی۔

باہر کی تبدیلی تو یہ تھی کہ اوپر کے پورشن کا کھلا سا ٹیرس اور دو عدد مختصر سی بالکونیاں جو دھول مٹی سے اٹی ویران رہا کرتیں، اب منی پلانٹ، موتیا کی بیلوں اور گلاب اور چھوئی موئی کے پودوں کے خوش رنگ گملوں سے بہار دکھا رہی تھیں۔ ٹیرس کی ریلنگ تک دھو کے چمکائی گئی تھی۔ یہی حال دروازوں کا تھا۔ ان پر پینٹ کی ضرورت ہی نہیں پڑی، صرف دونوں بیڈ رومز اور کچن میں پینٹ کروایا گیا۔

ایک تبدیلی یہ تھی کہ پہلے آس پڑوس کے گھروں میں "تقریباً" روزانہ ہی جو ڈشوں کا تبادلہ ہوتا تھا، "کاشانہ رؤف" خیر سگالی کے اس جذبے سے قطعی محروم رکھا جاتا تھا۔ محلے کی بھابھیاں، باجیاں اس گھر میں موجود ہر عمر کے کنوارے سے بدکتی ہوئی کم ہی اپنی ہنر مندی کے جوہر دکھانے کی کوشش کیا کرتیں۔

دادی اگرچہ کہیں آتی جاتی نہ تھیں مگر پرانی اماؤں کی طرح انہیں ہر اچھی چیز ادھر ادھر کے گھروں میں بھیجنے کا بہت شوق تھا۔ پہلے ہی دن چنا پلاؤ، آلو گوشت اور شامی کباب کی ٹرے نیچے بھر کے بھیج دی۔ نتیجتاً ساتھ والی مسز ہاشمی، سامنے والی بھابھی زبیدہ، مسجد کے ساتھ والی خالہ صفیہ اور شاہ جی کی بیگم بتول آپا کے گھر سے بھی پکوان آنے لگے اور چونکہ اوپر کا راستہ نیچے کی کوریڈور سے ہو کر گزرتا تھا اس لیے عموماً شرمی ایک پلیٹ انہیں بھی پکڑا دی جاتی۔ مسز ہاشمی کی دو بیٹیاں دل نشیں کی ہم عمر تھیں۔

انہوں نے بہت زور دیا کہ وہ ان کے گھر آیا جایا کرے مگر دادی نے سلیقے سے معذرت کرلی۔ بھابھی زبیدہ ان کی بڑی پوتی کی ہم عمر ہوں گی، انہیں سہیلیاں بنانے اور بہناپا گانٹھنے کا ہوکا تھا مگر وہ بھی اس سنجیدہ مزاج، مدبر سی خاتون نما لڑکی یا لڑکی نما خاتون سے بے تکلفی پیدا نہ کرسکیں۔ یوں آنا جانا بس یکطرفہ ہی رہا۔

اور وہ تبدیلی جو اندر آئی تھی، آئی تو تینوں نفوس میں تھی۔ بس اتنا تھا کہ تینوں کو ایک دوسرے میں رونما ہونے والی تبدیلی ہی نظر آتی تھی۔ اپنے اندر پیدا ہوئے نئے پن سے وہ صاف مکر جاتے تھے۔

محلے میں جو تبدیلیاں آئی تھیں، اگرچہ ان کا تعلق ان آنے والے نئے لوگوں سے نہیں تھا مگر عجیب سی بات تھی کہ یہ دونوں واقعات ایک ہی روز ہوئے تھے۔ ان لوگوں کا اس گھر میں آنا... اور نکے کا گاؤں سے روتے ہوئے نکلنا اور "کاشانہ رؤف" میں تڑپتے ہوئے آنا۔ اس کا ریڈیو اب بھی بجتا مگر نور جہاں اور شازیہ منظور کے اٹھکھیلیاں کرتے گیتوں کے بجائے عطاء اللہ عیسیٰ خیلوی اور الطاف راجہ کے درد ناک نوحے لگا کرتے۔ اس کی سستی کا بھی وہی عالم تھا، مگر حیرت انگیز طور پر اب اس کے ہاتھ کے پکے کھانوں میں ذائقہ آگیا تھا۔ روٹیاں بھی قدرے گول اور نرم بنتیں، شوربہ بھی خوش رنگ ہوتا، گوشت گلا ہوتا، سبزی بھنی ہوئی ہوتی۔ یہ فرق وہ تھا جو عزم رؤف اور سیف الرحمان کو چونکا گیا۔ ان کے پوچھنے پر نکا سر جھٹک کے گنگنانے لگا۔

"میری جند ڑی نوں لگ گیا روگ...
تے بچھڑے نیں لوگ..."

"ماموں! آپ نے سنا تو ہوگا کہ جب کسی کے دل کو ٹھیس پہنچتی ہے تب ہی وہ شاعر بنتا ہے، اسی طرح جب روح میں درد اترتا ہے تو گلے میں بھی سُر اتر آتے ہیں۔ مجھے لگتا ہے گھر سے بے دخل کیے جانے کے غم میں نکے کے ہاتھوں میں ذائقے کا نور اتر آیا ہے۔"

"اور تمہارے چہرے پر نور کس دکھ کا اعجاز ہے۔" انہوں نے اس کے خلاف معمول ڈھلے ہوئے چہرے، خلاف عادت استری شدہ لباس (اور وہ بھی ...) خلاف فطرت تمیز کا مظاہرہ کرتے ہوئے کھانا کھاتے بغور گھورا۔

"اعجاز... اعجاز کو کیا دکھ ہوسکتا ہے؟" وہ وقت آنے پر ایسے ہی بھولا بن جایا کرتا۔ اس میں بڑا فائدہ تھا، جب آپ اگلے کی بات ہی نہیں سمجھ رہے تو جواب کیا خاک دیں گے۔

"تم کہیں جارہے ہو؟"

"نہیں، مجھے کہاں جانا ہے۔"

"تو اتنی صبح صبح یہ تیاری، یہ اہتمام۔"

"کیسی تیاری، ذرا سا منہ ہی تو دھویا ہے اور کپڑے... پچھلے سال سے ایسے ہی پڑے ہیں، میں نے سوچا پہن لوں، کہیں پڑے پڑے چھوٹے نہ ہوجائیں۔"

"برخوردار! اب تم اس عمر سے نکل گئے، جب کپڑے پڑے پڑے چھوٹے ہوجایا کرتے تھے، مجھے اصل بات بتاؤ۔"

"توبہ ہے ماموں! خود آپ ہر روز آفس جانے سے پہلے ایک گھنٹہ لگاتے ہیں تیاری میں، تین طرح کے پرفیوم لگاتے ہیں۔ چہرے پر بھی پتا نہیں کیا کیا ملا جاتا ہے۔ میں ذرا سا تیار... بلکہ تیار بھی کیا، پانی کے دو چھینٹے مارے منہ پر، بالوں میں ہاتھ پھیرا اور یہ دیکھیں ذرا... کیسا حسن ٹپک رہا ہے۔ آپ سے یہ بھی برداشت نہیں ہورہا۔ مان جائیں ماموں! جوانی کا اپنا حسن اور اٹھان ہوتی ہے۔"

"یہ تم راتوں رات جوان کیسے ہوگئے۔ یہ کیسی جوانی ہے، جس کے چڑھنے کی خبر تمہیں اچانک ہوئی ہے۔"

"آپ تو بال کی کھال کھینچتے ہیں۔ حالانکہ بال بے چارے کی کھال ہوتی ہی کہاں ہے... فضول کی کوشش۔ ہاں اگر آپ کے بال کی کھال کھینچنے کی کوشش کی جائے تو ضرور کچھ نہ کچھ ہاتھ لگے گا۔ کھال نہ سہی، ہیئر ڈائی ہی سہی۔"

"یار! تم نے نوٹ کیا، وہ دل نشیں بھی تمہاری ہی

طرح ہر محاورے کی کھال کھینچتی ہے۔"

"نہیں دل کو دل سے راہ ہوتی ہے بلکہ کہیں کہیں تو شاہراہ ہوتی ہے۔"

"اچھا تو بات دل سے دل تک پہنچ گئی۔ اب سمجھا لوگ ہمیں "چھڑا چھانٹ" کہتے ہوئے اپنی بچیاں کیوں سنبھالتے پھرتے تھے۔ یہ تم ہو خطرے کا سگنل، کالی بھیڑ، سماج کے لیے ایک..."

"ہاں ہاں، سب الزام میرے سر ڈال دیں، حالانکہ جب اس گھر کو "چھڑوں کا ڈیرا" کا خطاب ملا، تب میں اسکول میں پڑھتا تھا۔ یہ آپ تھے، اسفند بھائی تھے اور نکا تھا، جس کی شاندار کارکردگی کی وجہ سے ہمارا گھر محلے بھر میں شجر ممنوعہ کی حیثیت اختیار کرگیا۔ اسفند بھائی نے تو اپنے ماتھے سے یہ کلنک کا ٹیکا مٹا دیا، اب وہ نہ صرف شادی شدہ بلکہ گھر داماد اور جورو کا غلام کا ٹائٹل بھی حاصل کرچکے ہیں۔ آپ ابھی تک سدا بہار کنوارے کا ٹیگ لگائے گھوم رہے ہیں۔"

"بھیا! چمٹا ہے؟" اچانک دل نشیں وارد ہوئی۔

"کون کس کو چمٹا ہے۔" سیف فکرمندی سے پوچھنے لگا۔

"آپ سے بات نہیں کر رہی میں... ہونہہ... جان نہ پہچان، بڑی خالہ سلام۔"

"انتہائی بے سروپا محاورہ استعمال کیا ہے آپ نے، جان پہچان تو ہماری ہے۔ آپ دل نشیں ہیں، چچا غلام حسین کی پوتی، میں سیف الرحمان ہوں، عزم رؤف کا بھانجا۔ دوسری بات کہ نہ تو میں نے آپ کو سلام کیا ہے، نہ ہی بڑی خالہ کا رشتہ جوڑا ہے۔"

"یہ لو بی بی! چمٹا۔" اتنی دیر میں نکا کچن سے چمٹا لے کر آگیا اور وہ جو تلملا کے اوپر جانے کو تھی، پلٹ کر چمٹا لینے لگی۔ اتنے میں پھر سے وہی آواز آئی۔

"دل نشیں! کیا چمٹا وہاں لے کے بیٹھ گئی ہو۔ جلدی آؤ، تمہارے دادا کے لیے پراٹھا تلنا ہے۔" "آئی دادی" کہتی حسب سابق بلند ترین آواز میں سیڑھیاں پھلانگنے لگی۔ عزم کو اپنے سامنے رکھے جلے ہوئے ٹھنڈے توس زہر لگنے لگے، ایک آہ بھر کے کہا۔

"پراٹھے... ہائے عرصہ ہوگیا کھائے ہوئے۔"

"اور تاں والیاں دے مکھن پراٹھے
تے چھڑیاں دی اگ نہ بلے۔"

سیف نے نکے کی کمی پوری کی۔ وہ سیف کو گھورتا چائے رکھ کے دوبارہ سے کچن میں چلا گیا اور جب وہ دونوں "مجبوراً" خود کو بہلا پھسلا کر یہ سوکھا ناشتہ کرنے پر آمادہ کر رہے تھے، تب دل نشیں بڑی سی پلیٹ لے کر نیچے اتری۔

"یہ لیں گرما گرم پراٹھے، دادی نے بھیجے ہیں۔" اور اسی رفتار سے واپس جانے لگی۔ عزم بھاپ اڑاتے پراٹھوں کو اور سیف سیڑھیاں چڑھتی دل نشیں کو نثار ہوجانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"چھڑیاں دا دل چھیڑ دی..."

اس نے ابھی تان بلند ہی کی تھی کہ حلق تک جاتا عزم کا نوالہ وہیں رک گیا۔

"یار! یہ نکے نے اپنا ریکارڈ تمہارے حلق میں کس طرح فٹ کیا۔"

☆ ☆ ☆

"اب تم پردے والی بیبیوں کی طرح چادر اور چار دیواری کا پیچھا چھوڑ دو۔" عزم نے اس کے اوپر سے چادر کھینچ کر اتاری۔

"تم سے کل بھی کہا تھا کہ جاکر سکندر سے مل تو۔ اس کے پاس ایک بڑی اچھی جاب ہے۔ جب تک کسی مستقل جاب کا بندوبست نہیں ہوتا، کم از کم تجربے کی خاطر ہی یہ جاب کرلو۔ میں کوشش کر رہا ہوں کہ کسی اچھی فارماسیوٹیکل میں تمہاری گنجائش نکل آئے۔ کوالیفیکیشن تو ہے تمہارے پاس، صرف تجربے کی کمی ہے۔ وہ سکندر کے پاس چار پانچ ماہ جاب کرکے بھی مل سکتا ہے اور کچھ نہیں تو تمہاری روٹین تو سیٹ ہوگی۔ کام کرنے کی عادت تو پڑے گی۔ دن چڑھے تک پڑے لیٹے رہتے ہو یا پھر کنگھی پٹی کرکے باہر نکل جاتے ہو۔"

"کنگھی تو کنگھی میں نے کبھی پٹی کو ہاتھ تک نہیں

لگیا۔ یوں ہی بے بنیاد الزام لگا کر مجھ یتیم کی ہائے نہ لیا کریں اور اب یہ نئی مصیبت 'جاب کر لو' وہ ڈھائی ہزار والی جاب کروں میں۔"

"ڈھائی نہیں، چار ہزار دے رہا ہے اور بچے! شروعات ایسے ہی کی جاتی ہے پھر تم پر کون سا بال بچے یا گھرداری کا بوجھ ہے۔ یہ چار ہزار تمہارے جیب خرچ کے لیے بہت ہوں گے اور ترقی کے چانسز تو رہتے ہی ہیں۔"

"میرا جیب خرچ، یعنی آپ مجھے جیب خرچ دینے سے صاف انکار کر رہے ہیں۔ ماموں! معاف کیجیے گا، بال بچے یا گھرداری کا بوجھ تو آپ پر بھی نہیں پھر یہ بچت کس کھاتے میں۔ ٹھیک ہے 'سنا لیں باتیں' مجھے غیرت آنے میں بس کچھ وقت باقی ہے۔" اس نے سائیڈ ٹیبل پر پڑا کلاک اٹھا کے کہا۔

"میں اس وقت کا انتظار کروں گا بھانجے۔"

"یعنی آپ باز نہیں آئیں گے۔"

"میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم اپنے پیروں پر کھڑے ہو جاؤ۔"

"ہاں پہلے تو جیسے میں سر کے بل کھڑا ہوں نا۔"

"اتوار کی ساری چھٹی تمہاری بک بک سننے میں ضائع ہو جاتی ہے۔ چکنے گھڑے بن چکے ہو تم۔" وہ ساری نصیحتیں بے کار جاتی دیکھ کے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"گھڑے تو ہوتے ہی چکنے ہیں، چکنی مٹی سے جو بنتے ہیں۔ کیا آپ نے کبھی کھردرے یا پتھریلے گھڑے دیکھے ہیں۔" اس نے ان کی پشت پر جملہ پھینکا۔ کچھ دیر بستر پر کروٹیں بدلیں پھر بور ہو کر باہر نکلا۔ لاؤنج میں ماموں کے پاس کھڑی دل نشیں کو دیکھ کر الٹے قدموں اندر کی طرف لپکا۔ دل نشیں کا رخ دوسری جانب تھا مگر عزم کی نظروں سے سیف کا سر کھجاتے، جمائیاں لیتے باہر نکلنا اور افراتفری میں اندر جانا چھپ نہ سکا۔ صرف پانچ منٹ کے بعد وہ باہر نکلا تو دل نشیں غائب تھی۔ صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ چڑھا کے بیٹھے عزم سے پوچھنے لگا۔

"کہاں گئی؟ ابھی تو یہاں تھی۔" عزم نے ایک نظر اس کے یکسر بدلے ہوئے حلیے کو دیکھا۔ بکھرے بالوں کے گچھے قدرے سلیقے سے قابو کیے گئے تھے۔ تازہ دھلا گندمی چہرہ چمک رہا تھا، نیکر اور ڈھیلی کی بدرنگ ٹی شرٹ کے بجائے کیمل کلر جینز اور وائٹ بے داغ شرٹ پہن رکھی تھی اور تو اور جوگرز بھی کس رکھے تھے، ورنہ وہ صرف کرکٹ کھیلنے کے لیے جاتے وقت یہ اہتمام کرتا تھا۔ عام طور پر ہوائی چپل ہی گھسیٹتا پھرتا۔

"کون، کون کہاں گئی؟ اچھ۔۔۔ چھا۔۔۔ اچھا۔۔۔ وہ دل نشیں۔۔۔ وہ تو چلی گئی۔ اخبار لینے آئی تھی، لے کر چلی گئی۔ تم نے ناحق اتنا تردد کیا۔" انہوں نے انہیں کی سر سے پیر تک بدلی حالت کی طرف اشارہ کیا۔

"میں کب دل نشیں کا پوچھ رہا ہوں۔ آپ بھی ماموں۔۔۔ بغیر رائی کے پہاڑ کھڑے کر لیتے ہیں۔ میں تو چائے کا پوچھ رہا تھا کہ کہاں گئی، ابھی تو یہاں ٹیبل پر رکھی تھی اور تردد کیسا۔ آپ کو بتایا تو تھا کہ آج میرے فرینڈ کے بھائی کی مہندی ہے، اس لیے تیار ہوا ہوں۔"

"فرینڈ کے بھائی کی مہندی اور۔۔۔ صبح کے پونے دس بجے۔ جاؤ یار! کسی اور کو الو بناؤ۔"

"اور کوئی ہے ہی کہاں، لے دے کے آپ ہیں یا نکا۔" وہ انہیں کسی طرح نہ ٹلتے دیکھ کر چڑ گیا۔

"یوں بھی اقربا پروری بھی کوئی چیز ہے۔ سب سے پہلا حق آپ کا بنتا ہے، آپ کو ہی بناؤں گا۔" چبا چبا کر کہنے کے بعد اس نے لاؤنج میں بے چینی سے ٹہلنا شروع کر دیا۔ سیڑھیوں کے پاس رک کر زور سے نکے کو آواز لگائی۔

"نکے! یہ اخبار کہاں ہے، صبح صبح غائب ہو گیا ہے۔"

"سیف! کیا بدتمیزی ہے یہ۔" عزم نے ٹوکا۔

"کمال ہے 'اخبار پڑھنا بدتمیزی ہے۔" اس کے شور مچانے کا نتیجہ حسب توقع رہا۔ اگلے ہی لمحے دل نشیں اخبارات کا پلندہ سمیٹے نیچے اتر رہی تھی۔ ویسے تو

انہوں نے ایک اخبار لگوا رکھا تھا مگر چھٹی کے دن تین روزنامے آتے تھے۔

"یہ لیجیے اپنا اخبار سنبھالیے۔ شور تو ایسے مچا رکھا تھا جیسے آپ کا میٹرک کا رزلٹ نکلنا ہو آج۔"

"میٹرک کا رزلٹ نہیں محترمہ! پانچ کروڑ کے پرائز بانڈ کی قرعہ اندازی ہے آج۔ اس میں اپنا نمبر ڈھونڈنا تھا۔"

"تو ہو بلی کو چھیچھڑوں کے خواب۔"

"ارے جائیے' بندر کیا جانے ادرک کا سواد۔"

"آپ نے مجھے بندر کہا۔" وہ غرائی۔

"اور آپ نے مجھے بلی کہا۔" اس نے بھی ناک بھوں چڑھائی۔

"میرا خیال ہے' معاملہ کچھ گڑبڑ ہو گیا ہے۔ تھوڑی سی ادلہ بدلی کر لیں۔" عرم نے اس محاوراتی جنگ میں رضاکارانہ حصہ لیا۔ بات چونکہ دونوں "عقل مندوں" کے سر سے گزر گئی تھی' اس لیے خیریت رہی۔

"اخبار تو آپ ایسے سمیٹ کر لے گئی تھیں جیسے آپ سے بڑا کوئی عالم فاضل ہی نہیں۔ بائی دا وے یہ انگریزی کا اخبار ہے۔ اس کے نام کے اسپیلنگ کر کے بتاؤں آپ کو۔"

"تو آپ کا خیال ہے کہ میں انگلش اخبار نہیں پڑھ سکتی۔ جناب! میری کینئیرڈ کی اسکولنگ ہے اور ایف ایس سی میں بھی سب سے زیادہ میرے مارکس انگلش اور کیمسٹری میں آئے تھے۔" اس کے فخریہ جتانے پر یکدم عرم کو کچھ خیال آیا۔ انہوں نے غور سے دل نشیں کو دیکھا' وہ واقعی انٹر کی طالبہ لگتی تھی لیکن اگر اس کا اتنا اچھا رزلٹ آیا تھا تو اب وہ گھر کیوں بیٹھی ہے' کلاسز شروع ہوئے تو کئی ماہ ہو گئے اور اسے انہوں نے کبھی کالج آتے جاتے نہ دیکھا تھا۔

"اگر ایف ایس سی کا رزلٹ اتنا اچھا تھا تو آگے پری میڈیکل یا انجینئرنگ لائن میں جاتیں' آرٹس کیوں پڑھ رہی ہو۔" وہ اتنا اندازہ لگا سکے کہ شاید گھر پر پرائیویٹ تیاری کر رہی ہو۔

"آرٹس مگر میں نے تو آرٹس نہیں رکھی۔ مجھے کینئیرڈ کالج میں بی ایس سی میں ایڈمیشن بھی مل گیا تھا۔"

"اچھا لیکن اگر تمہیں ایڈمیشن مل گیا تھا تو پھر پڑھائی جاری کیوں نہیں رکھی۔"

"وہ تو... دراصل بھیا۔ ہاں' وہ دادا جی نے ختم کروا دیا۔" وہ ڈسٹرب ہو گئی۔ شوخ آنکھوں میں ہراس اتر آیا۔

"وہ ہم لوگ لاہور سے جا رہے تھے نا اس لیے۔" صاف لگ رہا تھا کہ یہ بروقت اور موزوں بہانہ اسے اچانک سوجھا ہے۔ عرم نے مزید کریدنے سے گریز کرتے ہوئے فقط سر ہلا دیا۔

"جا رہے تھے تو ایڈمیشن ہی نہ لیتے۔" سیف البتہ ضرور بلند آواز میں بڑبڑایا۔

"لیکن ناجی' وہ تو ضرور لینا تھا۔ رعب بھی تو ڈالنا ہوتا ہے دوسروں پر۔ کہ ہمیں کینئیرڈ کالج میں ہاتھوں ہاتھ لیا جا رہا تھا۔ ہم نے ہی ناک پر مکھی نہ بیٹھنے دی۔" اتنے جلے کٹے تبصرے پر بھی وہ کچھ بولے بغیر اوپر چلی گئی۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ناک پر مکھی نہ بیٹھنے دینے والے کو اس قدر تنقید کا نشانہ کیوں بنایا جاتا ہے۔" سیف کو نئی فکر نے آن گھیرا۔

"کہ جی فلاں تو بڑا وہ ہے' ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتا۔ حالانکہ اس کے اس عمل کی واہ واہ ہونی چاہیے کہ کس قدر صفائی پسند اور ستھرا شخص ہے' خود تو سڑیل یا نخریلا کہلانا گوارا ہے مگر ناک کو مکھی کا تفریحی مقام بنانا برداشت نہیں۔"

"کبھی تو بخش دیا کرو۔" عرم جھنجلا کے اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہیں ایک نئی فکر لاحق ہو گئی تھی۔

"کمال ہے یہ خیال مجھے پہلے کیوں نہیں آیا کہ یہ غلام حسین صاحب آخر ہیں کون' اس طرح اونے پونے مکان اور دکان بیچ کر تین مہینے کے لیے یہ گھر کرائے پر کیوں لیا گیا ہے۔ نہ یہ خود کہیں آتے جاتے ہیں نہ ان کی بیگم اور پوتیاں باہر نکلتی ہیں۔ بڑی والی

کے ساتھ تو دو بار جاتے دیکھا ہے ان صاحب کو صبح کے گئے دوپہر کو واپس آئے ہیں تو یہ چھوٹی کو کالج سے اٹھا کر نظر بند کیوں کر رکھا ہے۔ کسی مقدمے کا ذکر تو کر رہے تھے' کہیں کسی قتل وتل کا نہ ہو اور کہیں ان کے اس مختصر قیام کی وجہ سے میں بھی لپیٹ میں نہ آجاؤں۔ پتا کرنا چاہیے کہ چکر کیا ہے۔"

چھٹی کا دن تھا' موسم اچھا تھا' فرصت بھی تھی اسی لیے آج ہی ساری بات واضح کرنے کا ارادہ باندھا۔

❀ ❀ ❀

"معاف کرنا بیٹے! اگر آپ ہماری ذاتیات میں دخل دے رہے ہیں۔" انہیں بڑی گرمجوشی سے ڈرائنگ روم میں بٹھانے اور بڑی محبت سے چائے پلوانے والے غلام حسین اب اتنی ہی رکھائی سے جواب دے رہے تھے۔ حالانکہ عرم رؤف نے بڑے طریقے سلیقے سے بات شروع کی تھی۔

"آپ غلط سمجھ رہے ہیں چچا جان! آپ اور ہم میں جان پہچان کو گزرے زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔ دیکھا جائے تو ایک طرح سے اب بھی انجان اور غیر ہیں ہم ایک دوسرے کے لیے لیکن ہم ایک چھت کے نیچے رہتے ہیں۔ اگر آپ کو میرے بارے میں کوئی شک و شبہات ہوں گے تو کیا آپ ان کو دور کرنا پسند نہیں کریں گے۔"

"تو تم میرے بارے میں مشکوک ہو۔" وہ بے بسی سے ہنس پڑے۔ "ٹھیک ہے بیٹا میں کوشش کروں گا جلد سے جلد کوئی دوسرا ٹھکانا ڈھونڈنے کی۔"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا چچا جان!" پتا نہیں کیوں' وہ اس ضعیف چہرے پر تاسف دیکھ کے شرمندہ ہو گئے۔

"شاید میرا کہنے کا انداز غلط تھا' میں تو صرف اتنا پوچھنا چاہتا تھا کہ آخر اتنے سالوں بعد آپ جما جمایا کاروبار اور گھر چھوڑ کر اپنے آبائی گاؤں جا رہے ہیں تو کیا اس کی وجہ..."

"میں نے کہہ دیا ہے بیٹا کہ آپ فکر مند نہ ہوں۔" انہوں نے ہاتھ اٹھا کے اسے وضاحت دینے سے روکا۔

"اللہ کرے اگلی پیشی میں ہی فیصلہ سنا دیا جائے پھر میں یہ مکان خالی کرنے میں ایک دن کی دیر نہ لگاؤں گا۔" ان کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

"یہی تو میں جاننا چاہ رہا ہوں کہ آپ کس قسم کا مقدمہ لڑ رہے ہیں' آپ کی پریشانی کی وجہ کیا ہے۔ میں صرف اپنائیت اور ہمدردی میں آپ کی ذاتیات میں دخل دے رہا ہوں' اس کا پلیز کوئی غلط مطلب نہ نکالیں۔" وہ آ تو گئے تھے اور غلام حسین سے اپنے شبہات کا اظہار بھی کر دیا تھا مگر اب اس بات کا اتنا شدید ردعمل دیکھ کر شرمندہ ہو رہے تھے۔

"ہو سکتا ہے میں آپ کے کسی کام آسکوں۔ ایک بہت اچھے وکیل میرے جاننے والے ہیں۔"

ان کے اصرار کے آگے ہار مان کے غلام حسین نے لب کشائی کی۔

"یہ مقدمہ میں اپنی بڑی پوتی آویزہ کی جانب سے لڑ رہا ہوں۔ اس کے خلع کا مقدمہ۔"

"خلع کا۔"

"ہاں وہ کم بخت اپنے سیاہ اعمال نامے میں اور بھی سیاہیاں بھر رہا ہے' میری معصوم بچی کو رہائی نہ دے کر۔ میرا بیٹا گزر گیا تو مجھ بڈھے کی تو جیسے مت ہی ماری گئی۔ ہمیں تو بے سہارا کر کے گیا' ساتھ تین ذمہ داریاں اور سونپ گیا' بیوہ اور دو بچیاں۔ میں شاید فیصلہ کرنے کی طاقت ہی کھو بیٹھا تھا۔ دل آویز کا رشتہ آیا تو بغیر کسی تحقیق کے بغیر کچھ پوچھ گچھ کے میں نے اس کی شادی کر دی۔ ویسے بھی وہ پچیس چھبیس سال کی ہو رہی تھی۔ یہاں بات آگے تک بڑھی تو میں نے مین میخ نکالنا ضروری نہ سمجھا اور بس ایک بوجھ کی طرح دل آویز کو سر سے اتار دیا۔ اس بدبخت انسان نے اپنی اصلیت دکھانے میں زیادہ وقت نہ لیا۔ ہم لوگ بیٹیوں کو اور کچھ دیں نہ دیں' اچھی تربیت ضرور کرتے ہیں۔ میری بچی صابر' شاکر بچی ہر طرح کے حالات میں گزارا کر سکتی تھی۔ ساس نندیں جھگڑالو تھیں' شوہر

کے لیے یہ سب بہت کم ہے۔ یہ بھی میرا گھر ہے' میں نے ہوش سنبھالتے ہی ان دیواروں کو دیکھا ہے' کبھی اوپری نہیں لگیں لیکن جب بے بے آئی تھی تو مجھے سب اوپرا لگتا تھا۔ بس ایک وہی اپنی لگتی تھی۔۔۔ اسی طرح جب دو تین مہینوں بعد گاؤں والے گھر جاتا تو لگتا چاروں طرف رشتے ہی رشتے بن رہے ہوں۔ میں ان رشتوں کو کھونے کی ہمت نہیں کر سکتا پائی جان! آپ بھی میرے لیے اتنے ہی ضروری ہو' سیف باؤ بھی اتنا ہی پیارا ہے لیکن ندیم' شاہد اور مانو۔۔۔ ان کو کیسے چھوڑ دوں۔ یہ بھی سوچا تھا کہ شادی کرنا کوئی ضروری نہیں' ویسے ہی بھرجائی اور بچوں کو شہر لے آتا ہوں' گاؤں چھوڑ ہی دیتے ہیں پھر خیال آیا۔ ہو سکتا ہے شہر میں آ کے بھی وہ طعنہ سننا پڑے اور پھر پائی جان! جب درمیان میں ایسی باتیں آ جائیں تو وہ خالص پن نہیں رہتا۔ اب میں جب بھی بھرجائی کے سامنے جاؤں گا' وہ باتیں یاد آئیں گی' دل میں وہ چیز باقی نہیں رہی۔ جب جذبے بدل گئے ہیں تو اچھا ہے کہ رشتہ بھی بدل جائے۔ مانو بڑی ہو رہی ہے' میں چاہتا ہوں' ابا بھی بن جاؤں گا۔۔۔ کیا خیال ہے؟" وہ ہلکا سا ہنس پڑا۔

"ہوں۔۔۔ کیا۔۔۔ ہاں ٹھیک ہے۔" وہ چونک پڑے۔ "بالکل ٹھیک سوچا تم نے' واقعی محبتیں۔۔۔ اور رشتے۔۔۔ جہاں سے مل جائیں' جتنے بھی مل سکیں' جھولی بھر کے سمیٹ لینا چاہیے' وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ عجیب سی بات ہے نکے! ہمیشہ ہی تمہیں "نصیحت" دیتا رہا ہوں لیکن آج تم نے بڑے پتے کی بات کہہ دی۔ میں بھی اسفند اور سیف کو سینے سے لگا کر یہ سمجھتا رہا کہ میری زندگی مکمل ہو گئی اور کیا چاہیے۔ اماں جی کے لائے کتنے رشتے اس خوف سے مسترد کر دیے کہ کہیں آنے والی کو یتیم بچے خار کی طرح کھٹکنے نہ لگیں۔ اسفند اور سیف دونوں عمر کے اس دور میں تھے جب انہیں نہ تو بچوں کی طرح بہلایا جا سکتا تھا' نہ ہی کسی میچور شخص کی طرح کچھ سمجھایا جا سکتا تھا۔ انہیں میری فنانشل سپورٹ ہی کی نہیں' دوستی اور اعتماد کی ضرورت تھی اس لیے اس کام کو کل پر ٹال دیا اور دیکھو' جس بات سے ڈرتا تھا' وہ ہوئی مگر میری وجہ سے نہیں' اسفند کی وجہ سے۔ کیسے اس کی بیوی اسے لے کر دنوں میں غائب ہوئی اور اب کی خدشے مجھے سیف کے حوالے سے ستانے لگے ہیں۔ میں نے اسے ہمیشہ بچہ سمجھا ہے مگر وہ اب بچہ نہیں رہا' کل ملازمت کرنے لگے گا' پرسوں شادی کر لے گا اور۔۔۔ اور پھر۔۔۔ نہیں نکے! اب مجھ میں کچھ کھونے کا حوصلہ نہیں رہا۔ تم ٹھیک کہتے ہو' زندگی گزارنے کے لیے یہ بہت کم ہے۔ سیف مجھے اب بھی اتنا ہی پیارا ہے لیکن پتا نہیں کیوں اب دل کچھ اور بھی چاہنے لگا ہے' کوئی اور ساتھ' کوئی اور رشتہ۔۔۔"

"لو جی۔۔۔ یک نہ شد' دو شد۔" دروازے سے کان لگا کر کھڑے باتیں سنتے سیف الرحمان سے مزید صبر کرنا مشکل ہو گیا اور اس نے اچانک انٹری دی۔ اس کی پلکیں بھیگ رہی تھیں' آواز کپکپا رہی تھی۔

"وہ سیف۔۔۔ دراصل میں نکے سے۔۔۔ ارے یار! یہ اپنا نکا ویاہ کھڑکا رہا ہے۔"

"سب سن لیا ہے میں نے' ہاں تو آپ کیا کہہ رہے تھے۔ میں بڑا ہو گیا ہوں' نئی خبر ہے' امیزنگ۔۔۔ کل میری جاب شروع ہونے والی ہے' پرسوں شادی اور ترسوں رخصتی۔۔۔ آپ میں اب اور کچھ کھونے کا حوصلہ نہیں رہا' بہت خوب' کیا درست اندازے لگائے ہیں آپ نے میرے بارے میں۔ کیا کیا امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں آپ نے اس ہونہار بھانجے سے۔" وہ بھرپور انداز میں گلہ کر رہا تھا۔

"سوری یار! میرا یہ مطلب نہیں تھا۔"

"ارے جائیے' سہرا باندھنے کا ارمان اٹھ رہا تھا تو ویسے ہی کہہ دیتے' مجھ بے چارے کو بدنام کرنے کا کیا فائدہ۔ میں تو پہلے ہی کھٹک رہا تھا' نہ اس نکے کے تیور ٹھیک لگ رہے تھے' نہ آپ کے مزاج ٹھکانے پر تھے۔ چلو جی' اب ایک نہیں دو ویاہ کھڑکیں گے۔۔۔ یک نہ شد دو شد۔"

"کیوں نہ تمہیں بھی گھسیٹ کر لیں۔"

"ختم شد"

"ابھی میری عمر ہی کیا ہے۔" اس نے بالکل ماموں کے انداز میں ان کا پسندیدہ جملہ کہا۔

"انکل! آپ کو ہی اب یہ فریضہ انجام دینا ہے۔" عروم رؤف نے شاہ جی کو رضامند کرنے کی کوشش کی۔

"ابھی کی تمہی تمہارے انکل کہنے کی۔ دیکھو میں تمہارا انکل بن کے وہاں تمہارا رشتہ مانگنے نہیں جاؤں گا' ہرگز نہیں۔۔۔ ہاں بڑا بھائی بن کے ضرور جا سکتا ہوں' اس کے لیے تمہیں مجھے بھائی جان کہنا پڑے گا۔"

"انکل نہیں۔ صاف بات یہ ہے کہ تم اب تک مجھے دھڑلے سے اس لیے انکل کہتے رہے ہو کیونکہ تم اپنے "چھڑے" ہونے کا فائدہ اٹھاتے ہو' اب جب یہ سلسلہ بھی ختم ہونے والا ہے تو شرافت سے اپنی عمر تسلیم کر لو۔"

"خیر یوں تو مت کہیں' ابھی میری عمر ہی کیا ہے۔ ٹھیک ہے' آپ کو پسند نہیں تو نہ سہی' گولی ماریے انکل کو' آج سے آپ میرے بھائی بلکہ چھوٹے بھائی ہیں۔" اس وقت تو وہ شاہ جی کو بیٹا تک بنانے کو تیار تھے۔

"تو ٹھیک ہے' میں آج ہی غلام حسین صاحب سے بات کر لیتا ہوں لیکن کیا یہ مناسب ہو گا۔۔۔ میرا مطلب ہے کہ ابھی چند روز پہلے ہی تو ان کی خلع کا۔۔۔"

"میں اور انتظار نہیں کر سکتا' یہ نہ ہو کہ چچا جان واپس چلے جائیں' میں اور وقت نہیں گنوا سکتا' اب اور نہیں۔"

اور یوں ان کے اصرار پر شاہ جی نے غلام حسین سے عروم رؤف کے لیے ان کی بڑی پوتی کا ہاتھ مانگا اور یہ رشتہ غلام حسین کے لیے کسی نعمت سے کم نہیں تھا۔ وہ تو بالکل ہی ہمت ہارے بیٹھے تھے۔ یہ معاملہ بھی طے پا چکا تھا اور اب عروم اور سیف نکے کے ساتھ اس کے گاؤں جا رہے تھے [illegible] شادی [illegible]

تھے۔

"دیکھو یار نکے! اب مجھے منہ پھاڑ کے پائی جان مت کہنا۔ ایک تو ویسے ہی میں تم سے چھوٹا ہوں' اوپر سے اب تم بال بچے دار بننے والے ہو۔ ٹھیک ہے' ہماری اور تمہاری شادی تقریباً آگے پیچھے ہی ہو گی لیکن اس شادی کے بعد میں تو صرف شوہر کہلاؤں گا جبکہ تم ابا جان کا خطاب بھی حاصل کرو گے' اس لیے اب یہ کاکے بنے رہنے کا ڈرامہ ترک کر دو۔"

"جو حکم آپ کا پائی۔۔۔ میرا مطلب ہے عروم باؤ۔"

وہ بار بار اپنے بوسکی کے کرتے کی نادیدہ سلوٹیں دور کر رہا تھا۔ بالوں سے محروم سر پر ہاتھ پھیر پھیر کے مسکراہٹیں بکھیر رہا تھا۔

"یار نکے! کوئی پھڑکتا ہوا گیت ہو جائے اس پُرمسرت موقع پر۔" سیف نے اکسایا اور وہ شروع ہو گیا۔

"توں اے ساڈی چھلا۔۔۔
تے میں آں تیری بیلی۔۔۔
تیری میری جوڑی بڑی بچ رہے گی۔"

* * *

"ایک منٹ' ایک منٹ' آپ لوگ اپنی جوڑیاں "فِٹ" (فکس) کر کے کیوں مجھے [illegible] کر رہے ہیں۔" سیف نے دہائی دی۔

"تو میرے بھولے شہزادے! ہم نے تمہارے ساتھ کیا کرنا ہے۔ فرصت کرو اور وہ چار سال گزریں گے تمہارا [illegible] کرنے کے لیے وہ آ جائے گی نا' وہی جسے تمہاری طرح کھلاڑیوں پر تنقید کرنے کا مراق ہے۔" عروم نے اسے گلے لگا کر بھرپور تسلی و تشفی دی تھی۔